عائلی تنازعات کے حل اور خانگی امور میں صلح سے متعلق احکام: شریعہ اور قانون کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

طاہرہ افراق ۞

۱-تعارف

انحطاط کے اس دور میں مسلم معاشروں میں سماجی اور معاشرتی اعتبار سے کئی نئے چیلنج سامنے آئے ہیں۔ ان میں سے ایک چیلنج بڑھتے ہوئے خانگی تنازعات ہیں۔ عمومی طور پر سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی میادین میں مسلم ادارے انحطاط کا شکار ہو گئے ہیں لیکن خاندان کا ادارہ کچھ حد تک انحطاط کے اس دور میں بھی زیادہ مؤثر کردار ادا کر رہا ہے لیکن اب اس ادارے کو بڑھتے ہوئے عائلی تنازعات کی بنا پر کئی مشکلات کا سامنا ہے۔

خاندانی معاملات میں بگاڑ پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے اور عام طور پر اس بگاڑ کی اصلاح کے لیے جو قواعد و ضوابط اور اصول وضع کیے گئے ہیں، وہ نہ تو بہت معروف ہیں اور نہ ہی عملی طور پر ان کی تطبیق کے لیے کوئی انتظامات کیے گئے ہیں جس کا نتیجہ نہ صرف بڑھتے ہوئے خانگی تنازعات ہیں بلکہ اس کی وجہ سے آنے والے نسلوں پر بھی مضر اثرات رونما ہو رہے ہیں۔ اس صورت حال میں یہ بہت مناسب ہو گا کہ عائلی تنازعات کے حل کے حوالے سے قرآن و سنت کی روشنی میں مستنبط کیے گئے فقہی احکام کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے اور تنازعات کے حل کے ضمن میں مؤثر راہ عمل تجویز کی جائے۔ اسی ضرورت کی بنا پر اس مقالے میں صلح کے احکام کا مطالعہ اس طرح کیا جا رہا ہے کہ ان احکام کی معاشرے میں عملی تطبیق کے لیے راہ عمل وضع کی جا سکے۔

مقالہ ہذا میں صلح کے متعلق بنیادی تصورات کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن و سنت کی روشنی میں خانگی امور کے تنازعات کے حل کے لیے فقہی اور قانونی دائرۂ کار کا اس طرح جائزہ لیا گیا ہے کہ اس سے تطبیقی استفادہ ممکن ہو سکے، مزید برآں سماجی رہ نما، وکلا، فیملی کورٹ کے ججز اور سول سوسائٹی کے ممبران کے لیے ایسے رہ نما اصول وضع کیے جا سکیں جن کے استعمال سے مسلم معاشروں خاص طور پر پاکستانی معاشرے میں بڑھتے ہوئے خانگی تنازعات کو حل کرنے کی کوششوں میں حصہ ڈالا جا سکے۔

۞ لیکچرر شعبہ شریعہ، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد۔(tahiraifraq@aiou.edu.pk)

شریعت اسلامیہ میں صلح کے احکام کے بنیادی مصادر قرآن و حدیث ہیں جب کہ اس کے متعلق تفصیلی احکام احوال شخصیہ کے مباحث میں ملتے ہیں۔ فقہ الاسرہ کی کئی کتابوں میں بھی عائلی تنازعات کے حل کے ضمن میں مباحث موجود ہیں۔ مزید برآں، دور حاضر میں تحقیقی مجلات میں اس ضمن میں کئی تحقیقی مضامین بھی شائع ہوئے ہیں۔ انھی مضامین میں سے بعض یہ ہیں:

> "And Amicable Settlement is Best": Ṣulḥ and Dispute Resolution in Islamic Law" by Aida Othman, "Mediation in Marital Discord in Islamic Law: Legislative Foundation and Contemporary Application" by Sayed Sikander Shah; Tahkim (Arbitration) in Islamic Law Within the Context of Family Disputes by Mahdi Zahraa and Nora A. Hak.

کئی ممالک میں عائلی تنازعات کو حل کرنے کے لیے تربیتی طریقے بھی وضع کیے گئے ہیں، اس ضمن میں کرسٹوفر مور (Christopher W. Moore) "Training Mediators for Family Dispute Resoultion" جیسی تحریریں اہم ہیں۔ مقالہ ہذا میں نہ صرف وہ مباحث شامل ہیں جو درج بالا تحقیقات میں موجود ہیں بلکہ اس میں ایسے نکات کی بھی نشان دہی کی گئی جن کے ذریعے پاکستان میں عائلی تنازعات کے حل کو آسان بنایا سکتا ہے۔

مقالہ ہذا اصول فقہ، اصول قانون اور سماجی مطالعے کے مناہج پر مشتمل ہے۔ جب کہ ثالثوں کی معاونت کے لیے تیار کیے گیے رہ نما اصولوں میں تعلیمی و تربیتی مناہج کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مقالے میں زیادہ تر مواد کو لائبریری ریسرچ کے اصولوں کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے تاہم جس جگہ ضروری ہوا وہاں پر صلح کے حوالے سے کیس لا کو (Case Law) بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

اس مقالے کا آغاز موضوع تحقیق کے بنیادی تصورات کی وضاحت سے کیا گیا ہے؛ اس ضمن میں عائلی تنازعات اور صلح جیسے مفاہیم کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد قرآن و سنت کی روشنی میں صلح کی مشروعیت کو واضح کیا گیا ہے، نیز بتایا گیا ہے کہ صلح کی کون کون سے اقسام اور نوعیتیں ہیں اور اس ضمن میں فقہا کے درمیان کن کن آرا میں اختلافات ہیں۔ اس کے بعد کے مبحث میں عائلی تنازعات کو حل کرنے کے لیے شریعت اسلامیہ کے لائحۂ عمل پر گفت گو کی گئی ہے؛ اس مبحث میں صلح سے متعلق متفرق احکام کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ مقالے کے آخر میں صلح سے متعلق قانون سازی کے ارتقا اور خاص طور پر پاکستان میں ہونے والی قانون سازی کو زیر بحث لایا گیا ہے، نیز ایسے رہ نما اصولوں کی بھی نشان دہی کی گئی ہے جن کی مدد سے ثالثوں

کے لیے تربیتی مینول تیار کیے جاسکتے ہیں۔

۲- مقالے کے بنیادی تصورات کی وضاحت

۲.۱- عائلی تنازعات کا مفہوم

عائلی تنازعات سے مراد وہ خاندانی اختلافات ہیں جو میاں بیوی کے درمیان نفرت، حسد اور شک و شبہات کا باعث بنتے ہیں اور ان کے نتیجے کے طور پر نہ صرف خاندانی نظام کم زور ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات خاندان تباہ و برباد بھی ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں عائلی تنازعات کے لیے شقاق کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِهِمَا﴾۔[۱] شقاق کا مصدر المشاقہ ہے۔ یہ لفظ الشق سے مشتق ہے۔ شین پر کسرہ کے اعتبار سے اس کا مطلب ایک طرف، ایک جہت یا باریک سمت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تنازع کی صورت میں دونوں فریقین میں سے ہر کوئی مخالف سمت میں چل پڑتا ہے۔ جھگڑے یا تنازع سے دونوں کے درمیان علاحدگی پیدا ہو جاتی ہے۔[۲] قرآن پاک میں شقاق کا لفظ نافرمانی کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا هُمۡ فِیۡ شِقَاقٍ﴾۔[۳]

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے شقاق کی وضاحت دو طرح سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:"للشقاق تأويلان: أحدهما: أن كل واحد منهما يفعل ما يشق على صاحبه، الثاني أن كل واحد منهما صار في شق بالعداوة و المباينة."[۴] (شقاق کی دو تاویلیں ہیں: ایک یہ ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک ایسا رویہ اپنائے جو دوسرے پر گراں گزرے اور دوسری تاویل یہ ہے کہ ہر ایک دشمنی اور جدائی کی ایک سمت میں چلا جائے۔)

۲.۲- صلح کا مفہوم

لغوی مفہوم میں صلح سے مراد جھگڑے کو ختم کرنا ہے۔ اس کے لیے عربی زبان میں بطور مصدر

۱- القرآن ۴: ۳۵۔

۲- محمد طاہر بن محمد بن محمد طاہر بن عاشور، **التحریر و التنویر** (تونس: الدار التونسیة للنشر، ۱۹۸۴ء)، ۵: ۴۵۔

۳- القرآن ۲: ۱۳۷۔

۴- فخر الدین الرازی، **مفاتیح الغیب، التفسیر الکبیر** (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ)، ۱۰: ۷۳۔

المصالحة اور التصالح کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ابن منظور کے بقول عربی زبان میں صلح کا لفظ فساد کے زائل ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز درست ہو جائے، فائدہ مند ہو جائے اور مناسب ہو جائے تو اسے صلح کہا جاتا ہے۔[۵]

صلح المخاصمة کا متضاد ہے جب کہ اس لفظ کا اصل الصلاح ہے اور اس کا معنی معاملات کا درست ہو جانا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ."[۶]

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ صلح کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: "والصُّلْحُ يختصّ بإزالة النّفار بين الناس." اس لیے کہا جاتا ہے: "اصْطَلَحُوا وتَصَالَحُوا".[۷]

اسی بنا پر جب لوگوں کے درمیان جھگڑا ہو جاتا ہے اور پھر اس جھگڑے کو ختم کروانے کے لیے صلح کروا دی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ "وقع بينهما الصلح و صالحه على كذا، و تصالحا عليه و اصطلحا، وهم لنا صلح، أي مصالحون."[۸] (ان دونوں کے درمیان صلح ہوگئی اور اس نے اسی سے فلاں چیز پر صلح کر لی اور انھوں نے اس پر صلح کر لی، ان دونوں نے صلح کر لی اور انھوں نے ہماری صلح کروا دی یعنی وہ صلح کروانے والے ہیں۔)

صلح اصلاح اور درستی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا، ان کے اختلافات کو ختم کرا دینا، کسی معاملے میں صلح کروا دینا، گویا کہ اس پر لوگوں کو متفق کروا دینا، دوسروں کے عمل کو درست کر دینا یعنی عمل کو مفید بنا دینا صلح ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ**

۵۔ دیکھیے: ابن منظور جمال الدین محمد بن مکرم، **لسان العرب** (بیروت: دار صادر، س ن)، ۲: ۵۱۶۔

۶۔ محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، ت، مصطفیٰ دیب البغا، کتاب الإیمان، باب فضل من استبراء لدینه (بیروت: دار ابن کثیر/ دار الیمامه)، رقم: ۵۲، ۱: ۲۸۔

۷۔ حسین بن محمد بن المفضل المعروف بالراغب الاصفہانی، **مفردات ألفاظ القرآن** (دمشق: دار النشر/ دار القلم، س ن)، ۱: ۵۸۷۔

۸۔ ابو القاسم محمود بن عمرو الزمخشری، **أساس البلاغة**، باب ص ل ح (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۸ء)۔

﴿فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾[9]، ﴿ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾۔[10]

شافعیہ کے نزدیک اس کا مطلب عیوب سے پاک اور مستقیم ہونا ہے، جب کہ اسے فساد کے متضاد کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک صلح کا مطلب جھگڑوں کا خاتمہ ہے۔

مجلة الأحكام العدلية میں صلح کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ: "الصلح هو عقد يرفع النزاع بالتراضي وينعقد بالايجاب و القبول."[11] (صلح وہ عقد ہے جو باہمی رضامندی کے ذریعے نزاع دور کرے اور اس کا انعقاد ایجاب و قبول کے ذریعے ہوتا ہے۔)

اس تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے محمد خالد الاتاسی لکھتے ہیں کہ صلح مصالحہ کا اسم ہے اور یہ مخاصمۃ یعنی جھگڑے کی ضد ہے، اس کا اصل الصلاح ہے جس کے معنی کسی چیز کے مستقیم ہو جانے کے ہیں اور شریعہ میں اس سے مراد وہ عقد ہے جس سے تنازع ختم ہو جاتا ہے۔[12]

مجلة الأحكام العدلية میں مصالح کی وضاحت ان الفاظ میں آتی ہے: "المصالح هو الذى عقد الصلح"[13]

درج بالا گزارشات کا مفہوم یہ ہے کہ صلح سے مراد خانگی افراد کے درمیان تنازعات کو ختم کرنا ہے۔ اس عمل کے ذریعے باہمی تعلقات میں نزاع اور فساد ختم ہو جاتا ہے۔ صلح کے عمل میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔ صلح کے عمل کو باضابطہ بنانے کے لیے کسی تنازع کو قانونی طور پر ختم کرنے کے لیے صلح کا معاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ القرآن ۴۹: ۱۰۔

۱۰۔ القرآن ۶: ۵۴۔

۱۱۔ **مجلة الأحكام العدلية**، ت، نجیب ہواوینی (کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، س ن)، مادہ: ۱۵۳۱، ۲۹۷۔

۱۲۔ محمد خالد الاتاسی، **شرح المجلة** (کوئٹہ: مکتبہ اسلامیہ، ۱۴۰۳ھ)، ۴: ۵۳۲۔

۱۳۔ **مجلة الأحكام العدلية**، مادہ: ۱۵۳۲، ۲۹۷۔

۳- صلح کی ضرورت، اہمیت اور مشروعیت

۳.۱- قرآن وسنت کی روشنی میں صلح کی مشروعیت

صلح کی مشروعیت قرآن، سنت، اجماع اور عقل سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ﴾ [۱۴] (لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں سوائے اس کے کہ کوئی صدقہ کی تلقین کرے یا نیک کام کی یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی۔) اس آیت کریمہ میں "صلح" عام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ عامۃ المسلمین کے مابین جو اختلافات ہیں ان کو صلح سے حل کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے عائلی معاملات میں صلح کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ [۱۵] (اور اگر کسی عورت کو اندیشہ ہو اپنے خاوند سے کسی بدسلوکی یا بے رخی کا تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ باہم صلح کرلیں اور صلح بہ ہر حال بہتر ہے۔)

ان آیات کے علاوہ قرآن پاک کی متعدد دوسری آیات میں بھی صلح کی مشروعیت اور ترغیب کے دلائل ملتے ہیں۔ [۱۶]

قرآنی آیات کے علاوہ سنت رسول ﷺ میں بھی صلح کے متعدد دلائل ملتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "الصلح جائز بين المسلمين" وفي رواية "إلا صلحا أحل حرامًا أو حرم حلالًا" [۱۷] یعنی صلح مسلمان کے درمیان جائز ہے سوائے اس کے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے۔

۱۴- القرآن ۴: ۱۱۴۔

۱۵- القرآن ۴: ۱۲۸۔

۱۶- دیکھیے: القرآن ۹: ۱۰۲ ؛ القرآن ۴: ۱۲۹؛ القرآن ۴۹: ۹- ۱۰؛ القرآن ۷۱:۳۳؛ القرآن ۱۰: ۸۱۔

۱۷- ابوداؤد السجستانی، **سنن أبي داود**، ت، محمد محی الدین عبدالحمید، كتاب الأقضية، باب في الصلح، (بیروت: المكتبة العصرية)، رقم: ۳۵۹۴۔

عائلی تنازعات سے نکاح کے مقصد کے حصول میں خلل پیدا ہو جاتا ہے کیوں کہ نکاح کا مقصد الفت، محبت اور اچھی عائلی زندگی ہے اور جب یہ باقی نہ رہے تو نکاح کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔[۱۸]

اسلامی معاشرے میں کئی قسم کے عقود اور معاہدے باہمی معاشرت کو آسان اور باضابطہ بنانے کے لیے تجویز کیے جاتے ہیں۔ انھی عقود میں سے اہم ترین عقد، عقد نکاح ہے کیوں کہ یہ نسل انسانی کی بقا اور حفاظت کا ضامن ہے۔ اسلام میں عقد نکاح کو نہ صرف پسندیدہ قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کی پائیداری اور حفاظت پر بھی بہت زور دیا گیا ہے۔ اس لیے اسلامی تعلیمات میں نہ صرف نکاح اور اس کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت کی گئی ہے بلکہ ایسی ہدایات بھی دی گئی ہیں جن کے ذریعے زوجین کے درمیان مفاہمت کو فروغ دیا جاسکے۔ انسانی معاشرے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعامل کرتے ہوئے تنازعات کا پیدا ہو جانا ایک منطقی بات ہے، یہ کوئی معیوب بات نہیں، مگر ان تنازعات کو ایسے طریقے سے حل کرنا جس میں دونوں فریق باہمی رضامندی سے کسی نتیجے پر پہنچ جائیں اور تنازع حل کر لیں تو اس سے بہتر بات کوئی اور نہیں ہو سکتی؛ چناں چہ اسلامی تعلیمات بھی ہمیں یہی سکھاتی ہیں کہ تنازعات کو مل بیٹھ کر مفاہمت سے حل کر لیا جائے۔

معاشرتی اصلاح کا اسلامی تصور فرد اور جماعت دونوں کے درمیان اصلاح کا تقاضا کرتا ہے، کیوں کہ اصلاح بین الناس ان مقاصد میں سے ہے جن کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا؛ چناں چہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾[۱۹]

(اگر مومنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کرو۔ اگر ان میں سے ایک دوسری پر بغاوت کرے تو اس جماعت سے قتال کرو جس نے بغاوت کی یہاں تک کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرواؤ اور انصاف کا معاملہ کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

اسی اجتماعی اصلاح کے تصور کو عام معاشرتی افراد کے درمیان اصلاح کے لیے بھی تجویز کیا گیا ہے۔

۱۸۔ محمد بن عبداللہ ابو بکر بن العربی، **احکام القرآن**، ت، محمد عبدالقادر عطاء (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۳ء)، ۱: ۵۴۱۔

۱۹۔ القرآن ۴۹: ۹۔

اسلامی معاشرتی اصولوں کے مطابق فلاح و بہبود اور معاشرے کے افراد کے درمیان ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لیے برائی کا جواب برائی سے دینا درست طریقہ نہیں، اس لیے ہدایت دی گئی ہے کہ معافی اور درگزر کا اسلوب اپنایا جائے کیوں کہ اس کے ذریعے معاشرتی اصلاح اور افراد کے درمیان بہتر ہم آہنگی ممکن ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾[۲۰] (اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے، پس جو معاف کرے اور اصلاح کا معاملہ کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔)

قرآن پاک کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں لوگوں کے درمیان صلح کو اسلامی معاشرتی تعلیمات کے بنیادی حصے کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾[۲۱] (پس تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کا معاملہ کرو۔) اسلامی اصولوں کے مطابق تمام مسلمان مومن بھائی بھائی ہیں اور بھائیوں کے درمیان نفرت اور عداوت کے تمام اسباب کا خاتمہ ہونا لازمی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾[۲۲] (بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔)

اجتماعی اصلاح کے ساتھ ساتھ عائلی زندگی میں صلح و صفائی کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ افراد خانہ ایک دوسرے کے ساتھ صلح و صفائی اور باہمی ہم آہنگی کے ساتھ زندگی گزاریں۔ خاندانی زندگی میں ہم آہنگی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

قرآن پاک کی طرح رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی لوگوں کے درمیان صلح کو بہت اہمیت دی گئی ہے، جیسا کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "ألا أخبركم بأفضل من درجة الصيام والصلاة والصدقة؟ قالوا بلى يارسول الله ﷺ قال صلاح ذات البين، فإن فساد ذات البين هي الحالقة."[۲۳]

۲۰- القرآن ۴۲: ۴۰۔

۲۱- القرآن ۸: ۱۔

۲۲- القرآن ۴۹: ۱۰۔

۲۳- محمد بن عیسی الترمذی، **سنن الترمذي**، ت: بشار عواد معروف، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع (بیروت: دار المغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء) رقم: ۲۵۰۹، ۴: ۲۴۴۔

(کیا میں تم کو روزے، نماز اور صدقے سے افضل چیز نہ بتاؤں؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا آپس کی اصلاح اور آپس کے فساد کی اصلاح ہے جو نیکیوں کو مونڈنے والا ہے۔) رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان تنازعات کو صلح سے نمٹانے کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ اس ضمن میں رسول ﷺ کا ارشاد ہے: "ليس الكذاب الذي يصلح بين الناس فيتمنى خيراً أو يقول خيرًا." [۲۴] (وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کروائے، وہ خیر کی تمنا رکھتا ہے یا پھر خیر کی بات کرتا ہے۔) اس کی مزید وضاحت حضور ﷺ کی درج ذیل حدیث سے اس طرح ہوتی ہے:

"حدثنا يحي عن مالک عن هشام بن عروة عن أبيه عن زينب بنت أبی سلمة عن أم سلمة زوج النبیﷺ أن رَسُولُ اللهَّ صلى الله عليه وسلم قال: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ." [۲۵]

(حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں انسان ہوں اور تم لوگ میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو اور شاید بعض لوگ دوسرے کے مقابلے میں اپنی حجت بازی میں زیادہ ماہر ہوتے ہیں سو میں اس سے سنی ہوئی بات کے موافق فیصلے کر لیتا ہوں اگر میں کسی کے لیے اس کے بھائی کے حق سے فیصلہ کر لوں تو بے شک میں اس کے لیے آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کرتا ہوں۔)

ایک اور حدیث حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ ان کے اور ابن ابی حدرد کے درمیان قرض کی ادائی پر تنازع پیدا ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ باہر تشریف لائے اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: "يا كعب": فقال: لبيک يا رسول الله، فأشاره إليه بيده ان ضع الشطر من دينک، قال كعب: قد فعلت يا رسول الله، قال النبیﷺ "قم

۲۴- البخاری، **الجامع**، كتاب الصلح، باب ليس الكاذب الذی صلح بين الناس، رقم: ۲۵۴۶، ۲: ۹۵۸؛ مسلم بن حجاج، **الصحيح** ، كتاب البرو الصلة و الآداب، باب تحريم الكذب و بيان المباح منه، ت: محمد فؤاد عبدالباقی (بیروت: داراحیاء التراث العربی)، رقم: ۲۶۰۵، ۴: ۲۰۱۱۔

۲۵- مالک بن انس، **الموطأ**، ت، مصطفی الاعظمی، كتاب الأقضية، باب الترغيب في القضاء بالحق (ابوظبی: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان، ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء)، ۴: ۱۰۴۰، رقم: ۲۶۶۲۔

فاقضه." [۲۶] (اے کعب! تو انھوں نے کہا: حاضر ہوں اللہ کے رسول ﷺ! نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ آدھا قرضہ معاف کرو، کعب نے کہا: میں نے معاف کر دیا اللہ کے رسول ﷺ! تب نبی کریم ﷺ نے (ابن حدرد) سے فرمایا: ""اٹھو اور اسے ادا کرو۔")

قرآن و سنت کی ان واضح دلیلوں کی روشنی میں مسلمان معاشروں میں ہمیشہ صلح کے ذریعے خاندانی نظام کو مضبوط بنایا جاتا رہا ہے۔ موجودہ دور میں بھی عمومی انحطاط کے باوجود مسلمان معاشروں میں خاندانی نظام مضبوط ہے لیکن اس نظام کو اسلوب سیاست میں تبدیلی کی بنا پر سنجیدہ چیلنجز کا سامنا ہے اور ان کا حل قرآن و سنت کے احکام کی موجودہ حالات کے مطابق تفہیم اور عملی تطبیق میں ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے خاندانی نظام کو شکست و ریخت اور زوال سے بچایا جاسکتا ہے۔

۲.۳۔ صلح کی مشروعیت کے بارے میں فقہا کی آرا

قرآنی آیات اور احادیث رسول کی بنا پر فقہا نہ صرف صلح کی مشروعیت کے قائل ہیں بلکہ اس کی افضلیت کو بھی درست مانتے ہیں۔ صلح کی مشروعیت کے بارے میں امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "وصف الله تعالى عز شأنه جنس الصلح بالخيرية، و معلوم أن الباطل لايوصف بالخيرية، فكان كل صلح مشروعا بظاهر هذا النص ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ إلا ما خص بدليل." [۲۷] (اللہ تعالیٰ نے جنس صلح کو خیر قرار دیا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ باطل کو خیر قرار نہیں دیا جاتا، لہٰذا ہر صلح اس نص کی رو سے مشروع ہو گی: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (اور خیر بہتر ہے) سوائے اس صلح کے جس کی دلیل سے تخصیص ہو۔)

رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر اہل مکہ سے صلح کی اور مسلمانوں اور قریش کے درمیان ۱۰/سال کے لیے امن کا معاہدہ ہوا۔ [۲۸] امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں داخل

۲۶۔ ابی داؤد، **السنن**، کتاب الأقضية، باب فی الصلح، رقم: ۳۵۹۵، ۵: ۴۷۷۔

۲۷۔ علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع** (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء)، ۶: ۴۰۔

۲۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: البخاری، **الجامع**، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد، ۲: ۹۷۷، رقم: ۲۵۸۱-۲۵۸۲؛ مسلم، **صحیح مسلم**، کتاب الجهاد و السیر، باب صلح حدیبیه، ۳: ۱۴۴۱، رقم: ۱۷۸۴؛ محمد عبد المالک بن ہشام، **السیرة النبویة** (بیروت: دار الجیل)، ۳: ۲۰۰۔

ہوئے تو آپ ﷺ نے دو افراد کو ایک کپڑے کے معاملے میں جھگڑتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے ان کے درمیان صلح کروادی۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان ہرگز صلح نہ کرواتے۔[۲۹]

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں عہد صحابہ میں ہونے والی مراسلات کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو صلح کی مشروعیت پر دلالت کرنے والی حدیث (الصلح جائز) لکھ کر بھجوائی تھی۔ ان دلائل سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ صحابہ کے درمیان صلح کی مشروعیت پر اتفاق تھا۔[۳۰]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "ردوا الخصوم حتی یصطلحوا، فإن فصل القضاء یورث بینهم الضغائن."[۳۱] (جھگڑا کرنے والوں کو لوٹاؤ کیوں کہ قضا کا فیصلہ ان کے درمیان حسد کو پروان چڑھاتا ہے۔) اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے امام الکاسانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنازعات میں صلح کی مطلق بات صحابہ کی موجودگی میں کی اور صحابہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، اس لیے صلح کی مشروعیت پر صحابہ کا اجماع ہے۔ اس لیے صلح کی مشروعیت پر قاطع حجت موجود ہے، کیوں کہ صلح کے ذریعے ہی تنازعات کا حل ممکن ہے۔[۳۲] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اقرار کی صورت میں تو صلح کو درست نہیں مانتے ہیں جب کہ انکار کی صورت میں درست مانتے ہیں؛ جب کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دونوں صورتوں میں، یعنی مدعی علیہ کے انکار یا اقرار کی صورت میں، صلح کو درست مانتے ہیں۔

شوافع انکار کی صورت میں صلح کو درست نہیں سمجھتے جب کہ احناف کا کہنا ہے کہ انکار کی صورت میں بھی مدعی قسم کے ذریعے اپنا حق ثابت کر سکتا ہے اس لیے مدعی علیہ کے اقرار یا انکار دونوں صورتوں میں صلح جائز ہے۔[۳۳] امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ صلح کی مشروعیت کے بارے میں کہتے ہیں: "اعلم بأن الصلح عقد جائز عرف جوازه بالكتاب والسنة."[۳۴] (جان لو کہ صلح وہ جائز عقد ہے جس کا جواز قرآن و سنت

۲۹۔ محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی، **المبسوط** (بیروت: دار المعرفة، ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء)، ۲۰: ۱۳۴۔

۳۰۔ نفس مصدر، ۲۰: ۱۳۴۔

۳۱۔ الکاسانی، مرجع سابق، ۶: ۴۰۔

۳۲۔ نفس مصدر۔

۳۳۔ نفس مصدر۔

۳۴۔ السرخسی، مصدر سابق، ۲۰: ۱۳۳۔

سے ملتا ہے۔)

اسلامی تاریخ میں صلح کے ذریعے عائلی تنازعات کو نبٹانے کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک مثال حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کی ایک بیوی کے درمیان ہونے والے جائیداد سے متعلقہ تنازع کو صلح کے ذریعے حل کرنا ہے۔[۳۵] امام الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں روایت کرتے ہیں کہ قبضہ شدہ زمینوں، خون بہا کی ادائیوں، غلاموں اور جائیدادوں کی ملکیت سے متعلقہ تنازعات کو بھی صلح کے ذریعے حل کیا جاسکتا ہے۔[۳۶]

صلح کا روایتی تصور قرون وسطی سے ہوتا ہوا عثمانی خلافت تک پہنچا۔ ذوالقدر (Dulkadir) کے قدیم Penal Code میں بھی صلح کے متعلق دفعات تھیں۔ خلافت عثمانیہ کے عدالتی ریکارڈ سے ایسے تنازعات کا پتا چلتا ہے جن کو صلح کے ذریعے حل کیا گیا۔ ایسے لوگ جو ان معاملات میں ثالثی کا کردار ادا کرتے تھے انھیں "مصلحون" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ عموماً عدالتوں سے منسلک لوگ ہی ہوتے تھے۔[۳۷] عثمانی سلطنت کے **مجلة الأحكام العدلية** میں صلح سے متعلق متعدد ابواب موجود ہیں۔ ان میں دوسروں کی ذمے داری کی ادائی (Discharge of Another's Responsibility) بھی شامل تھی۔ **مجلة الأحكام العدلية** میں صلح سے متعلق احکام حنفی فقہ کے مطابق ہیں۔[۳۸]

۳۵۔ ابو بکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی، **المصنف**، ت، حبیب الرحمن الاعظمی (بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ)، ۸: ۲۸۹، رقم: ۱۵۲۵۶۔

۳۶۔ ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی، **الجامع الصغیر و شرحه النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير** (بیروت: عالم الکتب، ۱۴۰۶ھ)، ۴۲۰۔

۳۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

Ronald C. Jennings, "Kadi, Court and Legal Procedure in 17th C. Ottoman Kayseri," *Studia Islamica* 48 (1978): 133-73; Ronald C. Jennings, "Zimmis (Non-Muslims) in Early 17th Century Ottomon Judicial Records," *Journal of the Economic and Social History of the Orient* 21:3 (Oct. 1978): 225-293.

۳۸۔ **مجلة الأحكام العدلية** کی کتاب نمبر ۱۲ بعنوان الصلح والإبراء میں تقریباً ۴/ابواب میں مادہ نمبر ۱۵۳۱ سے ۱۵۷۱ صلح سے متعلق ہیں۔ دیکھیے: **مجلة الأحكام العدلية**، ۲۹۷– ۳۰۶۔

۴- صلح کی اقسام اور اس کے قانونی اثرات

۴.۱- صلح کی اقسام اور نوعیتیں

فقہا نے صلح کے تصور اور اہمیت کے ساتھ ساتھ صلح کی اقسام کے متعلق بھی اپنی آرا کا اظہار کیا ہے۔ امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ صلح کی اقسام کے بارے میں کہتے ہیں:"الصلح فی الأصل أنواع ثلاثة: صلح عن إقرار المدعی علیه، و صلح عن إنکاره و صلح عن سکوته من غیر إقرار ولا إنکار."[۳۹] (صلح کی تین انواع ہیں: مدعی علیہ کے اقرار پر صلح، مدعی علیہ کے انکار پر صلح، مدعی علیہ کے اقرار اور انکار کے بغیر سکوت پر صلح۔)

مجلة الأحکام العدلیة میں بھی صلح کی یہی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔[۴۰]

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ تمام فقہا صلح کی اہمیت اور اس کی ضرورت پر متفق ہیں کیوں کہ اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا فرمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے تاہم ان کے درمیان صلح کی مختلف صورتوں کے درست ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ صلح کی پہلی صورت تو صلح بالاقرار ہے جس میں مدعی علیہ مدعی کے دعوے کے درست ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ ایسی صلح کو تمام فقہا درست سمجھتے ہیں۔ صلح کی دوسری دو قسمیں صلح بالانکار اور صلح بالسکوت ہیں۔ جن میں مدعی علیہ یا تو مدعی کے دعوی کا انکار کر دیتا ہے یا پھر اس پر سکوت اختیار کر لیتا ہے۔[۴۱]

احناف، مالکیہ اور جمہور کے نزدیک صلح کی تینوں قسمیں جائز ہیں جب کہ شوافع کے نزدیک صلح بالسکوت اور صلح بالانکار درست نہیں ہیں۔ شوافع کی دلیل یہ ہے کہ صلح بالسکوت یا صلح بالانکار میں ابہام کا امکان ہے کیوں کہ ان صورتوں میں فریقین میں سے کسی ایک کا جھوٹا ہونا یقینی ہے۔ ان کی راے میں فریقین میں سے کسی ایک کا جھوٹا ہونا اس قسم کے معاہدے میں غرر پیدا کرتا ہے اس لیے ایسی صلح درست نہیں ہوگی۔ اس بنا پر شوافع صرف ایسی صلح کو درست مانتے ہیں جس میں مدعی علیہ کا اقرار شامل ہو۔ ان کے نزدیک صلح بھی بیع کی

۳۹- الکاسانی، مرجع سابق، ۶: ۴۰۔

۴۰- دیکھیے: **مجلة الأحکام العدلیة**، مادہ ۱۵۳۵۔

۴۱- خالد الاتاسی، **شرح المجلة**، ۴: ۵۳۴۔

طرح ہے کیوں کہ دونوں میں قیمت کا تبادلہ ہوتا ہے۔ گویا کہ دونوں میں عوض متفق چیز ہے، اسی بنا پر جو چیز بیع میں حرام ہے وہ صلح میں بھی حرام ہے۔[۴۲]

جس طرح بیع میں ضروری ہے کہ فریقین کو نہ صرف بیع (Object) کی تمام خصوصیات اور قیمت کا پورا علم ہو بلکہ وہ دونوں اس پر متفق بھی ہوں اسی طرح صلح کے بدل پر بھی دونوں کا متفق ہونا ضروری ہے، ورنہ صلح کا دعویٰ درست نہ ہوگا۔[۴۳] اس ضمن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: "ولا يجوز الصلح عندي إلا على أمر معروف كما لايجوز البيع إلا بأمر معروف."[۴۴]

شوافع اس معاملے میں غرر کی وسیع تعریف کو مد نظر رکھتے ہیں نیز وہ یہ سمجھتے ہیں، کہ یہ قرآن پاک کی درج ذیل آیات سے مطابقت نہیں رکھتی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝[۴۵]

(اے ایمان والو! تم آپس میں اپنے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ وہ تمہاری باہمی رضامندی کی تجارت پر مبنی ہوں اور نہ اپنے آپ کو قتل کرو۔ بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔ اور جو کوئی اس طرح کرے گا ظلم وعدوان کی بنا پر تو عنقریب اسے ہم آگ میں ڈالیں گے اور یہ بات اللہ پر آسان ہے۔)

ان کے نزدیک صلح بالانکار اس حدیث کے بھی مخالف ہے جس میں کہا گیا ہے: "الصلح جائز... إلا صلحاً أحل حراما..."[۴۶]

شوافع کے نزدیک اس قسم کی صلح کے ذریعے حرام کو حلال بنانا ممکن ہو جاتا ہے، اس لیے یہ صلح درست نہیں۔ شوافع اپنی رائے کے حق میں ایک دوسری حدیث بھی بیان کرتے ہیں جس کی رو سے کسی مسلمان

۴۲۔ ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی، **الأم** (بیروت: دار المعرفة، ۱۹۹۰ء)، ۳: ۲۲۶۔

43– Aida Othman, ""An Amicable Settlement is Best": *Ṣulḥ* and Dispute Resolution in Islamic Law," *Arab Law Quarterly* 21 (2007): 64-90.

۴۴۔ الشافعی، مصدر سابق، ۳: ۲۲۶۔

۴۵۔ القرآن ۴: ۲۹– ۳۰۔

۴۶۔ ابوداود، **السنن**، كتاب الأقضية، باب في الصلح، رقم: ۳۵۹۴۔

کے لیے کسی دوسرے مسلمان کا مال حاصل کرنا درست نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ انکار یا سکوت کی بنیاد پر صلح کو رشوت ستانی میں داخل خیال کرتے ہیں، اس لیے وہ اسے درست نہیں مانتے۔[۴۷]

حنفی فقہا شوافع کی اس رائے سے متفق نہیں ہیں اور ان کے نزدیک شریعت اسلامیہ کے بنیادی مصادر میں ایک عموم کے ذریعے صلح کو جائز قرار دیا گیا ہے لہٰذا اس حکم کا اطلاق صلح کی تمام اقسام پر ہوتا ہے۔[۴۸]

قرآن پاک اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصوص اس ضمن میں واضح ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾[۴۹] مزید برآں حدیث میں آیا ہے کہ صلح جائز ہے سوائے وہ صلح جس سے حلال حرام ہو جائے یا حرام حلال ہو جائے۔ ان نصوص کے واضح مفہوم سے پتا چلتا ہے کہ صلح تنازعات کو ختم کرنے کا ایک درست طریقہ ہے۔[۵۰] احناف کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ صلح کے درست ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے اور یہ اجماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ثابت ہے، جس میں انھوں نے قاضیوں کو صلح کے ذریعے تنازعات نمٹانے کی ہدایت کی۔[۵۱]

احناف کے نزدیک سچائی کو واضح کرنے کی ضرورت کا صلح کی مشروعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ اس ضمن میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی کے درمیان ہونے والی صلح کو بیان کرتے ہیں۔ یہ تنازع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حل ہوا تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ اپنے دعوے سے کم تر حصہ لے کر صلح کر لو، تاہم حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مخالف نے اس صلح کو قبول نہیں کیا تھا اور اپنے حصے کے مطابق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرنے کے لیے کہا تھا جو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا تھا۔[۵۲] احناف

۴۷- الشافعی، مصدر سابق، ۳: ۲۲۶۔

۴۸- تفصیل کے لیے دیکھیے: الکاسانی، **بدائع الصنائع**، ۶: ۴۰؛ السرخسی، **المبسوط**، ۲۰: ۱۵۲؛ ابن قدامہ، **المغنی و الشرح الکبیر**، ت، محمد شریف الدین خطاب (قاہرہ: دار الحدیث، ۱۹۹۶ء)، ۶: ۲۷۲۔

۴۹- القرآن ۴: ۱۲۸۔

۵۰- ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، **المغنی** (القاہرہ: مکتبۃ القاھرہ، ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ھ)، ۴: ۳۶۷؛ السرخسی، **المبسوط** ۲۰: ۱۳۴۔

۵۱- الکاسانی، مرجع سابق، ۶: ۴۰۔

۵۲- البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الصلح، باب إذا اشار الإمام بالصلح فأبی حکم علیه بالحکم البین، رقم: ۲۵۶۱۔

صلح اور بیع کو ایک طرح قرار دیے جانے کے شافعی موقف کو بھی درست نہیں قرار دیتے کیوں کہ ان کے نزدیک جب اصطلاحات بدل جاتی ہیں تو ان کا مفہوم بھی بدل جاتا ہے، جیسا کہ قاعدہ فقہیہ ہے: "اختلاف الأسماء يدل على اختلاف المسمّٰى."[۵۳]

احناف شوافع کی صلح کی اقسام کے متعلق اس تشریح سے متفق نہیں ہیں جو حدیث الصلح جائز إلا... کی بنا پر کی جاتی ہے۔ احناف کی رائے میں اس حدیث میں صلح کی ممانعت ان امور کے بارے میں ہے جو بذات خود حرام ہیں اور اس ضمن میں احناف کئی مثالیں بھی دیتے ہیں، جیسے کوئی شوہر اپنی بیوی سے اس وعدے پر صلح کرے کہ وہ دوسری بیوی سے جنسی تعلق نہیں رکھے گا، یا دو فریقین اس بات پر متفق ہو جائیں کہ، وہ ملتی جلتی چیزوں کے تبادلے کی بنیاد پر صلح کریں گے؛ اس قسم کی صلح میں سودی تبادلہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے ان کی رائے میں یہ معاملات صلح کی ضمن میں نہیں آتے۔ ہر وہ چیز جس کے ذریعے کوئی شخص اپنی اچھی شہرت کا تحفظ کرتا ہے، صدقہ ہے۔ ان کے نزدیک صدقہ لینے والے کے لیے یہ چیز غیر قانونی نہیں ہے۔ اسی بنا پر دو فریقوں کا صلح کے لیے متفق ہو جانا قطع نظر اس کے کہ دونوں کے درمیان ابتدائی طور تنازع میں کس کا کتنا قصور تھا، درست ہے۔ اس قسم کے معاملات میں مدعی کا جھوٹ بولنا ثابت نہیں ہوتا، اس لیے ان دونوں کا صلح کر لینا درست ہے۔ یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کسی مدعی کے دعوے کو مدعے علیہ درست تسلیم کر لے۔ احناف کی رائے میں فریقین کی اصلی نیت اور حقائق سے ان کی آگاہی کو جاننا ضروری نہیں۔ ان کے نزدیک بادی النظر میں دعوے کا درست ہونا فریقین کی باہمی رضامندی سے ہونی والی صلح کے لیے کافی ہے۔[۵۴]

شوافع کے نزدیک صلح علی الانکار درست نہیں ہے، جب کہ احناف کے نزدیک صلح علی الانکار کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ امام ابو منصور الماتریدی شوافع کی اس رائے کا محاکمہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں: "ما صنع الشيطان من إيقاع العداوة و البغضاء في بني آدم ما صنع الشافعي رحمة الله في إنكاره الصلح على الإنكار."[۵۵] (شیطان نے اتنی برائی دشمنی اور نفرت کی بنا پر نہیں بنائی جتنی برائی امام شافعی

۵۳- ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، **الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي وهو شرح مختصر المزني**، ت، علی محمد معوض و آخر (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۹ء)، ۲: ۱۱۔

۵۴- السرخسی، مصدر سابق، ۱۳۷- ۱۴۵؛ الکاسانی، مرجع سابق، ۶: ۴۰- ۴۳۔

۵۵- الکاسانی، مرجع سابق، ۶: ۴۰- ۵۰۔

نے صلح علی الانکار کو درست نہ ماننے کی بنا پر بنائی۔)

احناف کے نزدیک صلح اس لیے ضروری ہے، کیوں کہ اسی کے ذریعے جھگڑے اور تنازع ختم ہو سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایسی حالت میں جب کہ مدعی علیہ مدعی کے دعوے کا انکار کرے تو صلح کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کیوں کہ یہ تنازع تو صرف صلح کی صورت میں ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔

احناف کا کہنا یہ ہے جن اسباب کی بنا پر شوافع صلح بالانکار یا صلح بالسکوت کو درست نہیں مانتے ان میں صلح تو دعوے کے کچھ حصہ کے قبول کرنے پر ہوتی ہے، کیوں کہ صلح میں کچھ حصہ معاف کرنا پڑتا ہے اور کچھ حصہ چھوڑنا پڑتا ہے۔ جب صلح ہو جاتی ہے تو اس کے بعد مدعی کا باقی حصے پر دعوی درست نہیں ہوتا اور صلح ہونے کے بعد وہ اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔[۵۶] مثال کے طور پر اگر الف اور ب کے درمیان ۱۰۰ ڈالرز کا دعوی ہو لیکن ۸۰ ڈالر پر صلح ہو جائے تو پھر مدعی باقی ۲۰ ڈالرز کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ وہ یہ مطالبہ صرف اس صورت میں کر سکتا ہے جب صلح کو کالعدم قرار دے دیا جائے۔[۵۷]

قرآن و سنت اور فقہا کی آرا سے یہ بات واضح ہے کہ صلح عدالتی فیصلوں سے بھی بہتر ہے۔ عمومی طور پر عدالتوں میں معاملات صلح نہ ہونے کی بنا پر ہی لائے جاتے ہیں۔ اس لیے قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بات عام کرنے کی ضرورت ہے کہ لوگ اپنے تنازعات، خاص طور پر خاندانی معاملات میں صلح صفائی کریں کیوں کہ صلح کی صورت میں دلی رنجشیں ختم ہوتی ہیں۔ عدالتوں کے فیصلے ضروری نہیں کہ انصاف ہی کریں کیوں کہ عدالتوں میں فیصلوں کا دارومدار صرف شواہد پر ہوتا ہے، جو درست بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی؛ اسی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ؛ فَأَقْضِي لَهُ بِنَحْوِ مَا أَسْمَعُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ أَخِيهِ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ." [۵۸] (بے شک میں انسان ہوں اور تم لوگ میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو اور شاید بعض لوگ دوسرے کے مقابلے میں اپنی حجت بازی میں زیادہ ماہر ہوتے ہیں، سو میں اس سے سنی ہوئی بات کے موافق فیصلے کر لیتا ہوں۔ اگر میں کسی کے لیے اس کے بھائی کے حق سے فیصلہ کر لوں تو بے شک میں اس کے

۵۶– دیکھیے: السرخسی، مصدر سابق، ۲۰: ۱۳۷– ۱۵۰؛ الکاسانی، مرجع سابق، ۶: ۴۰– ۵۰۔

57– Aida Othman, "An Amicable Settlement is Best", 85.

۵۸– مالک، **الموطأ**، كتاب الأقضية، باب الترغيب في القضاء بالحق، ۲: ۴۵۹، رقم: ۲۸۷۷۔

لیے آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کرتا ہوں۔)

صلح کی تمام تر اہمیت کے باوجود یہ بات جاننا ضروری ہے کہ کوئی صلح حرام کو حلال کر سکتی ہے اور نہ ہی حلال کو حرام کر سکتی ہے۔ اسی طرح وہ صلح جو طاقت ور کو کم زور پر حاوی کر دے، درست نہیں ہے۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ فریقین کو صلح کرنے کے لیے کہے کیوں کہ صلح خیر ہے اور بہترین طرز عمل ہے؛ چناں چہ صلح کی طرف جانا بنیادی طور پر بہتری اور خیر کی طرف رجوع ہے۔

فقہا نے صلح کو نوعیت کے اعتبار سے درج ذیل اقسام[۵۹] میں تقسیم کیا ہے:

الاوّل: مسلمانوں اور کفار کے درمیان صلح

الثانی: اہل عدل اور باغیوں کے درمیان صلح

الثالث: زوجین کے درمیان صلح

الرابع: متخاصمین کے درمیان مال کے علاوہ صلح

الخامس: متخاصمین کے درمیان مال کی ادائی کے ذریعے صلح

صلح کی مشروعیت کے بارے میں ابن عرفہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم تکلیفی میں سے ہے اور اس کی حیثیت مندوب الیہ کی سی ہے۔ حسب ضرورت صلح کی حیثیت واجب کی بھی ہو جاتی ہے۔[۶۰]

ابن قیم نے صلح کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا ہے:

الف: صلح عادل جائز: صلح عادل جائز سے مراد وہ صلح ہے جو رضاے الٰہی کے حصول کے لیے متخاصمین کی رضامندی سے منعقد کی جائے۔ ایسی صلح کی بنیاد علم اور عدل پر ہوتی ہے۔ ایسی ہی صلح کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ﴾[۶۱] جمہور فقہا کے نزدیک صلح کا عقد اپنی ذات کے اندر کوئی مستقل عقد نہیں کہ جس کی شروط اور احکام ہوں، لیکن اس پر عقد کی طرح کے

۵۹- صلح کی اقسام کی تفصیل کے لیے دیکھیں: ابن قدامہ، **المغنی**، ۴: ۵۲۷؛ احمد بن عبدالرزاق بن محمد بن احمد المغربی، **حاشية المغربي على نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج** (بیروت: دارالنشر/ دارالفکر للطباعة، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء)، ۴: ۳۷۱۔

۶۰- شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن محمد الطبرابلسی المغربی، **مواهب الجليل في شرح مختصر خليل** (بیروت: دارالفکر، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء)، ۵: ۷۹- ۸۱۔

۶۱- القرآن، ۴۹: ۹۔

ہی احکام لگتے ہیں، جیسا کہ اگر مال کے بدلے مال لے کر صلح ہوئی تو بیع کے احکام لگیں گے اور اسی طرح باقی عقود کا بھی حال ہے، کیوں کہ صلح پر وہی احکام و شروط لگیں گی جن کی بنیاد پر صلح ہوئی ہے اس لیے کہ مقصد ظاہری صورت نہیں بلکہ اس کے معانی ہیں اور ان کا حصول ہی مقصود حقیقی ہے۔[۶۲]

ب: صلح ناجائز مردود: اس سے مراد صلح کی وہ قسم ہے جو درست نہیں ہے کیوں کہ ایسی صلح میں حلال کے حرام اور حرام کے حلال ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ اس قسم کی کئی مثالیں ہیں جیسے ربا کھانے کے لیے صلح کرنا؛ طاقت ور کے ساتھ کم زور کی زبردستی صلح اسی قسم میں شامل ہے۔ غریب کا حق مار کر ظالم کے ساتھ صلح کروانا اسی قسم میں داخل ہے اور ایسی صلح کی اجازت نہیں ہے۔[۶۳]

۲.۴- صلح کے قانونی اثرات

جب فریقین کی رضامندی سے صلح ہو جائے تو پھر اس کے قانونی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ اثرات طریقۂ کار کے ہیں اور کچھ حقیقی امور سے متعلقہ ہیں۔ صلح کے نتیجے میں تنازعات یا معاہدات پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں[۶۴] ان میں سے چند اہم حسب ذیل ہیں:

۱) صلح کے نتیجے میں مقدمہ ختم ہو جاتا ہے اور دعویٰ دائر کرنے کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ صلح ہو جانے کے بعد عدالت میں اس دعوے کو دوبارہ سماعت نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ صلح کی

۶۲- تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد بن عبداللہ الخرشی، **شرح مختصر خلیل للخرشی**(بیروت: دارالفکر للطباعة، س ن)، ۶: ۱- ۴ ؛ منصور بن یونس بن صلاح الدین، **کشاف القناع عن متن الإقناع**(بیروت: دارالکتب العلمیة، س ن)، ۳: ۳۹۰؛ عثمان بن علی بن محجن الزیلعی، **تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق و حاشیة الشلبي** (قاہرہ: المطبعة الکبری الامیریة بولاق، ۱۳۱۳ھ)، ۵ : ۳۴- ۴۰ ؛ ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی، **روضة الطالبین وعمدة المفتین**، ت، زہیر الشاویش (بیروت / دمشق / عمان: المکتب الإسلامی، ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۱ء) ۴: ۱۹۳- ۱۹۶۔

۶۳- ابن القیم، **اعلام الموقعین** (السعودیہ: دار ابن الجوزی، ۱۴۲۳ھ)، ۲: ۲۰۴۔

۶۴- دیکھیے: الکاسانی، مرجع سابق، ۶: ۴۰- ۵۰ ؛ وہبہ الزحیلی، **الفقه الإسلامي و أدلته**(دمشق: دارالفکر)، ۶: ۴۳۳۰۔

صورت میں بھی تعزیر میں ریاست کا حق باقی رہتا ہے۔

ب) صلح اگر مدعی علیہ کے اقرار کی صورت میں ہو تو پھر اس ضمن میں فیصلہ حکم کے سپرد ہو گا۔

ج) معاہدۂ فروخت میں صلح کی صورت میں بیع نافذ العمل ہو جائے گی اور اس کے تمام اثرات بھی مرتب ہو جائیں گے جیسے ملکیت کی منتقلی، استفادے کا حق، خیار عیب، خیار رؤیت وغیرہ۔ اس طرح بیع کو ختم کرنے کا حق بھی نافذ العمل ہو جائے گا۔ اسی طرح قصاص و دیت کے معاملات میں صلح کی وجہ سے تمام عدالتی کارروائی ختم ہو جائے گی۔[۶۵]

د) اگر کرایہ داری وغیرہ کے معاملات میں صلح ہو گی تو اس صورت میں کرایہ داری کے اصول لاگو ہو جائیں گے۔ کرایہ دار کی موت کا تعین، ایک فریق کی وکالت اور جائیداد کے نقصان کے اثرات مرتب ہوں گے۔[۶۶]

ہ) اگر صلح گفٹ یا بیع کے حوالے سے ہو تو بیع پر قبضے سے پہلے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔[۶۷]

و) اگر ایک دفعہ صلح ہو گئی اور فریقین نے اسے قبول کر لیا ہو تو پھر انھیں صلح کو ختم کرنے کا اختیار نہیں ہو گا۔ اگر دونوں فریقین چاہیں تو تب بھی وہ صلح کو ختم نہیں کر سکتے۔ تاہم اقالہ کے ذریعے صلح کو ختم کرنے کا اس میں استثنا ہے۔[۶۸]

۵۔فقہ اسلامی میں عائلی تنازعات کے حل اور صلح کا لائحۂ عمل

۵.۱۔ صدر اسلام میں صلح کے لائحۂ عمل کا ارتقا

اگرچہ قبل از اسلام کے جاہلی معاشرے میں لڑائی جھگڑے کو پسند کیا جاتا تھا لیکن ان کے ہاں

65– Qazi Attaullah and Lutfullah Saqib, "*Ṣulḥ* Facts and Effects in Shari'ah Vis-a-Vis Efficacy of Pakistani Statutes and Efficiency of the Judges," *Hamdard Islamicus* XLI, no. 1,2 (2018): 212.

۶۶– نفس مرجع۔

۶۷– نفس مرجع۔

۶۸– نفس مرجع

تنازعات کو پر امن طریقے سے حل کرنے کی روایات بھی ملتی ہیں۔ عام طور پر قبائلی شیخ اور قبائل کے کہان متحارب قبائل کے درمیان صلح کرواتے تھے۔ یہ قبائلی سردار صواب دیدی بنیاد پر فیصلے کرتے تھے۔ بعض صورتوں میں تو ان کے فیصلے رضاکارانہ قبولیت حاصل کر لیتے تھے جب کہ بعض صورتوں میں یہ فیصلے جبری طور پر نافذ ہو جاتے تھے۔[۶۹]

اسلام کے آغاز میں عرب عرفی قانون بعض تبدیلیوں کے ساتھ قبول کر لیا گیا تھا اور اسی میں صلح کا معاملہ بھی شامل تھا، لیکن اسلامی احکام کے مطابق حقوق و فرائض کا تعین ثالث کا صواب دیدی اختیار نہیں تھا۔ اس حوالے سے اسلامی معاشرے میں آگاہی پائی جاتی تھی۔ اس ضمن میں ایک روایت ہے کہ دو افراد حضرت ابو عبیدہ کے پاس اپنا معاملہ لے کر آئے تو انھوں نے ان سے پوچھا: کیا تم اس معاملے میں مجھے ثالث بناتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ اس پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ثالث کو ایک ایسی اتھارٹی سمجھتے تھے جس کے پاس فیصلہ کرنے کا وہ اختیار تھا جو قاضی یا کسی اور کے پاس نہیں تھا۔[۷۰]

اس ضمن میں سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جو شخص ثالث بنایا گیا ہو اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ حدود و جرائم کے علاوہ باقی معاملات میں فیصلہ کر سکتا ہے۔ وہ اس حوالے سے استنباط کرتے ہیں کہ جب تنازع کے دو فریقین کسی ایک آدمی کے فیصلے پر متفق ہو جائیں تو ان کے لیے اجازت ہے کہ وہ اس کے فیصلے کو مانیں۔[۷۱] صلح کی روایت کو قرآن و سنت کے احکام سے تقویت حاصل ہوئی۔ قرآنی آیات اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استنباط کرتے ہوئے ہی فقہا نے ایسے احکام مرتب کیے ہیں جن سے فقہ اسلامی میں عائلی

۶۹- تفصیل کے لیے دیکھیے:

M. Hamidullah, "Administration of Justice in Early Islam," *Islamic Culture* 11 (1937): 71-163; M. J. Kister, "Mecca and Tribes of Arabia", in *Society and Religion from Jahiliyya to Islam* (Aldershot: Variorum, 1990); Abdulla El-Tayib, "Pre-Islamic Poetry" in *The Cambridge History of Arabic Literature: Arabic Literature to the End of the Ummayad Period*, eds. A.F.L. Beeston et al. (Cambridge: Cambridge University Press, 1983), 68-70.

۷۰- الصنعانی، **المصنف**، ۸: ۳۰۱؛ ابن ابی شیبہ، **المصنف في الآحادیث و الآثار**، تخریج، مختار احمد الندوی (بمبئی: الدار السلفیہ، ۱۹۷۹ء)، ۸۳-۱۷۹؛ ۷: ۲۴۰۔

۷۱- الصنعانی، مصدر سابق، ۸: ۳۰۱، رقم: ۱۵۲۹۴؛ ابن ابی شیبہ، مصدر سابق، ۲۱۴، رقم: ۲۹۴۱۔

تنازعات کے حل اور صلح کے فریم ورک اور لائحۂ عمل کا پتا چلتا ہے۔

۵.۲- عائلی تنازعات کو حل کرنے کے وسائل

فقہ اسلامی میں عائلی تنازعات کو حل کرنے کے مختلف ادارے ہیں۔ ان اداروں میں سب سے اہم ادارہ قضا کا ہے۔[۷۲] اس ادارے کے بہ کثرت استعمال کی وجہ سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عائلی تنازعات صرف قضا کے ذریعے ہی حل کیے جاسکتے ہیں۔ فقہ اسلامی میں قضا کے علاوہ صلح اور تحکیم کا طریقہ کار بھی عائلی تنازعات کے حل کے ضمن میں ایک مؤثر آلے کے طور پر پیش کیا گیا ہے، لیکن بد قسمتی سے صلح اور تحکیم کا استعمال عائلی تنازعات کے حل میں بہت کم ہے حالاں کہ تحکیم اور صلح کی تاکید نہ صرف قرآن و سنت میں کی گئی ہے بلکہ ان کا استعمال سہل اور اسلامی معاشرتی اقدار کے مطابق بھی ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾[۷۳]

صلح اور تحکیم اور مختلف قسم کے تنازعات کے حل میں ان کے استعمال کے احکام کو جاننے کے لیے ضروری ہو گا کہ تحکیم کے تصور کے متعلق فقہی آرا کا تجزیہ کیا جائے۔

۵.۳- عائلی تنازعات کے حل میں تحکیم کا کردار

تحکیم کا لفظ حَکَم سے نکلا ہے اور اس کا مفہوم غلط کام سے روکنا ہے۔[۷۴] زمخشری کے خیال میں اس کا مفہوم کسی تنازع میں کسی تیسرے شخص کو ثالث یعنی حکم یا محکم بنانا ہے۔[۷۵] لغوی اعتبار سے تحکیم کے

۷۲- قضا اسلام کے عدالتی نظام کا نام ہے۔ اس نظام کا آغاز رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل میں قضا کے تصور، اس کی ضرورت و اہمیت اور قاضیوں کی خصوصیات کے متعلق رہ نمائی ملتی ہے۔ بعد کے اسلامی ادوار میں اسلامی ریاست کے حدود کی وسعت کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام قضا کے متعلق تفصیلی احکام قرآن و سنت کی روشنی میں مستنبط کیے گئے اور ان احکام کو ادب القاضی کے نام سے مدون کیا گیا۔ قضا کے متعلق بہت سا جدید اور قدیم ادب موجود ہے۔ اس ضمن میں دیکھیے: الکاسانی، **بدائع الصنائع**، ۱۴: ۴۰۶؛ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی، **الأحكام السلطانية** (قاہرہ: دار الحدیث، س ن)، ۱۱۰؛ ابو بکر محمد بن ولید المالکی، **سراج الملوک** (مصر: ۱۸۷۲ء)، ۴۴؛ محمد رافت عثمان، **النظام القضائي في الفقه الإسلامي** (بیروت: دار البیان، ۱۹۹۴ء)۔

۷۳- القرآن ۴: ۱۲۸۔

۷۴- ابن منظور، **لسان العرب**، ۱۲: ۱۴۲- ۱۴۴۔

۷۵- الزمخشری، **أساس البلاغة**، ۱: ۲۰۶۔

معنی کسی شخص کو کسی متنازع امر کو طے کرنے کے لیے ثالث بنانا ہے۔ ایسے شخص کو اس معاملے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔[۷۶] ابن عابدین کے خیال میں تحکیم کا مفہوم کسی شخص کے بارے میں کسی دوسرے شخص کا فیصلہ ہے (جعل الحکم فیما لک لغیرک)[۷۷] تحکیم کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے الماوردی کہتے ہیں کہ تنازع کے دو فریقین اگر معاشرے کے کسی ایک فرد کو ثالث مقرر کرلیں تو یہ تحکیم ہوگی۔[۷۸]

وہبہ الزحیلی تحکیم کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "التحکیم: أن یحکم المتخاصمان شخصاً آخر لفض النزاع القائم بینهما علی هدی حکم الشرع."[۷۹] (تحکیم یہ ہے کہ فریق اپنے درمیان پیدا شدہ نزاع ختم کرنے کے لیے شرعی حکم کی رہ نمائی پر کسی دوسرے شخص کو حکم قرر کریں)

اسی طرح بعض فقہا کے نزدیک تحکیم کا معنی یہ ہے: "تولیة الخصمین حاکما یحکم بینهما" (یہ تولیت حکم کبھی تو قاضی کی طرف سے ہوتی ہے اور کبھی جھگڑے کے فریقین کی طرف ہوتی ہے۔)[۸۰] **مجلة الأحکام العدلیة** میں تحکیم کے متعلق کہا گیا ہے: "التحکیم عبارة عن اتخاذ الخصمین آخر حاکما برضا هما لفصل خصومتهما و دعواهما."[۸۱]

تحکیم کے لیے انگریزی میں Mediation کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جس کی تعریف حسب ذیل ہے:

> Mediation is an alternative dispute resolution mechanism (ADR). The goal of mediation is for the parties to reach a

---

۷۶- تحکیم کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم لغت اور فقہ کی کئی کتابوں میں دیے گئے ہیں، ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں: ابن منظور، **لسان العرب**، ۱۲: ۱۴۲ ؛ ابو الحسن علی بن اسماعیل بن سیدہ، **المخصص** (بیروت: دار الفکر، س ن) ۳: ۲۳۵ ؛ اسماعیل بن حماد الجوہری، **تاج اللغات و صحاح العربیة** (مصر: دار الکتاب العربیہ، س ن)، ۵: ۱۹۰۲ ؛ ابو منصور محمد بن احمد، **تهذیب اللغة** (مصر: انوار المصریة، س ن)، ۵: ۴۲۸۔

۷۷- محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین، **رد المحتار علی الدر المختار** (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۲ء)، ۵: ۴۲۸۔

۷۸- ابو الحسن الماوردی، **أدب القاضی** (بغداد: مطبعة العینی، ۱۹۷۲ء)، ۲: ۳۷۹۔

۷۹- وہبہ الزحیلی، **الفقه الإسلامی و أدلته**، ۸: ۶۲۵۱۔

۸۰- **الموسوعة الفقهیة الکویتیه** (الکویت: دار السلاسل، ۱۴۰۴ھ)، ۱: ۳۶۷۱۔

۸۱- دیکھیے: **مجلة الأحکام العدلیة**، المادہ: ۱۸۴۱- ۱۸۴۶۔

voluntary settlement which is then reduced to writing and becomes a contract. In this process a neutral third party (mediator) helps disputants to come to consensus on their own by assisting the parties to find a resolution to their conflict in a sustainable and self determined way.[82]

(ثالثی تنازعوں کو حل کرنے کا ایک متبادل طریق کار ہے۔ ثالثی کا ہدف یہ ہوتا ہے کہ تمام فریق رضاکارانہ طور پر کسی تصفیے تک پہنچ جائیں جسے بعد میں تحریر کر لیا جاتا ہے اور وہ پھر معاہدے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس عمل میں ایک جانب دار پارٹی (یعنی ثالث) متخاصمین کو آزادانہ طور پر اتفاق رائے پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ ثالث مخاصمین کو خود مختارانہ اور پائیدار انداز میں باہمی تنازع کا حل تلاش کرنے میں معاونت فراہم کرتا ہے۔)

تحکیم میں صلح کروانے کی ذمہ داری کبھی تو قاضی کی طرف سے ہوتی ہے اور کبھی فریقین کی طرف سے ہوتی ہے۔ صلح سے متعلق تحکیم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تحکیم کا نتیجہ عدالتی فیصلے کی صورت میں ہو اور دوسرا یہ کہ فریقین کے بغیر عدالتی کارروائی راضی نامے کی صورت میں ہو۔ اس لیے ان دونوں صورتوں یعنی الحکم القضائی اور العقد الرضائی کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔ عائلی تنازعات کو ختم کرنے میں تحکیم کی بہت اہمیت ہے۔ یہ طریقہ صلح میں کافی مؤثر ہے کیوں کہ تحکیم سے پہلے دونوں فریقین حکم کے فیصلے کو ماننے کے پابند ہو جاتے ہیں۔[۸۳]

۵.۴–عائلی تنازعات کے حل اور صلح میں تحکیم کی اہمیت

تحکیم کی روایت قبل از اسلام کے معاشرے میں بھی موجود تھی۔ اس عمل کو تہذیب اور شائستگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ چوں کہ مرکزی حکومت موجود نہ تھی اس لیے لوگ اپنے معاملات میں محترم شخصیات یا قبائلی سرداروں کو حکم بنا لیتے تھے اور ان کے فیصلوں کو حتمی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ فریقین حکم کا انتخاب اپنی مرضی سے کرتے تھے۔ حکم فیصلہ کرنے سے پہلے فریقین سے یہ یقین دہانی حاصل کرتے تھے کہ ان کے فیصلوں کو مانا جائے گا۔[۸۴] رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کی تنصیب کا تنازع اپنی فہم و فراست حل کروایا تھا۔[۸۵]

82– M. Kamenecka-Usova, "Mediation for Resolving Family Disputes", International Conf. on Society, Health, Welfare, 2014, 2.

83– Mahdi Zahraa and Nora A. Hak, "Taḥkīm (Arbitration) in Islamic Law within the Context of Family Disputes," *Arab Law Quarterly* 20, no. 1 (2006): 4–8.

۸۴– تفصیل کے لیے دیکھیے: وہبہ الزحیلی، مرجع سابق، ۸: ۶۲۵۱ ؛ بدران ابو العینین بدران، **تاريخ الفقه الإسلامي** (بیروت: دار النهضة العربية، س ن)، ۲۲–۲۷۔

۸۵– ابن ہشام، **السيرة النبوية** (قاہرہ: دار الهدايه، س ن)، ۱: ۲۱۳–۲۱۵۔

قرآن پاک کی متعدد آیات میں تحکیم کا لفظ استعمال ہوا۔ عائلی معاملات میں تحکیم اور صلح کے لیے سب سے اہم حکم قرآن پاک میں ان الفاظ میں صادر ہوا ہے: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا﴾ (۸۶) (اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو تو (ان کے درمیان فیصلہ کرانے کے لیے) ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے بھیج دو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان اتفاق پیدا فرما دے گا۔ بے شک اللہ کو ہر بات کا علم ہے اور ہر بات کی خبر ہے۔)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تحکیم کے معاملہ میں یہ آیت پہلا اہم حکم ہے۔ اس آیت سے واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ کس طرح حکم یا ثالث کے ذریعے تنازع کو حل کیا جاسکتا ہے، اس بات سے قطع نظر کہ اس میں قصور کس کا ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ شوہر اور بیوی کے لیے مناسب ہوگا کہ اگر باہمی رضامندی سے اپنے جھگڑوں کو ختم نہ کر سکیں تو علاحدگی (شقاق) سے بچنے کے لیے وہ حکم کی تقرری کریں۔ دونوں یعنی شوہر اور بیوی ایک ایک ثالث کا انتخاب کر لیں تاکہ وہ ان کے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروا دیں۔ (۸۷) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں "شقاق" کی وضاحت کی ہے۔ ان کے خیال میں اس کی دو تاویلیں ہیں: ایک یہ کہ دونوں میں سے ہر کوئی ایسی چیز کر رہا ہے جو دوسرے کے لیے گراں ہو اور دوسرا یہ کہ دونوں عداوت اور جھگڑے کی وجہ سے اپنے آپ کو شقاق میں ڈال رہے ہیں۔ (۸۸)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ حاکم دو عدل کرنے والے ثالث مقرر کرے اور ان میں سے ایک بیوی کی طرف سے ہو اور ایک شوہر کی طرف سے ہو اور یہ مناسب ہوگا کہ دونوں ثالث شوہر اور بیوی کے رشتہ داروں میں سے ہوں کیوں کہ وہ ان کے حالات سے زیادہ آگاہ ہوں گے اور ان کی یہ شدید خواہش ہوگی کہ دونوں کے درمیان صلح بھی کروا دیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ثالثوں کے فیصلے کے لازمی ہونے کے بارے میں بھی گفت گو فرماتے ہیں۔ اس ضمن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شوہر اور بیوی آئے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ بہت سارے لوگ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ

۸۶۔ القرآن ۴: ۳۵۔

۸۷۔ ابوعبداللہ محمد احمد بن ابی بکر القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، ت، احمد البردونی و ابراہیم اطفیش (قاہرہ: دار الکتب المصریۃ، ۱۹۶۴ھ)، ۵: ۱۷۴؛ ابن قدامہ، **المغنی**، ۲: ۱۰۴۔

۸۸۔ الرازی، **مفاتیح الغیب**، ۱۰: ۷۴۔

نے ان دونوں سے کہا کہ ایک ایک ثالث بھیجیں اور پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ان ثالثوں سے کہا کہ تمہارے ذمے یہ ہے کہ اگر تم دونوں ان کو اکٹھا کرنا چاہو تو صلح کروادو اور اگر تم مناسب سمجھو کہ الگ کرنا ہے تو الگ کر دو۔ اس پر بیوی نے کہا: میں اللہ کی کتاب سے راضی ہوں اور علی رضی اللہ عنہ میرے ولی ہیں، اور شوہر نے کہا: علاحدہ تو میں نہیں کرنا چاہتا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے جھوٹ کہا ہے، ویسے ہی کہو جیسے تمہاری بیوی نے بات کی ہے۔[۸۹]

ثالثوں کے فرائض کے بارے میں بھی فقہا نے گفت گو کی ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ عدل والے ہوں اور حکمت اور دانائی کے حامل ہوں۔ اگر انھیں یہ پتا چل جائے کہ کس نے زیادتی کی ہے تو وہ اس سے مظلوم کا حق لیں اور اس کی تلافی کروائی جائے۔ ثالثوں کی حیثیت کے بارے میں امام شافعی، عطاء، ابن زید رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کی رائے کے مطابق وہ دونوں پیام بر اور گواہ ہیں اور ان کی سفارش پر فیصلہ قاضی کرے گا، جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ قرآنی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دونوں قاضی ہیں، وکیل اور گواہ نہیں۔[۹۰]

فقہا نے میاں بیوی کے درمیان تحکیم کے بارے میں تفصیلی قواعد دیے ہیں۔ ان قواعد میں تحکیم کے اراکین اور ثالثوں کی صلاحیتوں کے متعلق بھی تفصیلی آرا موجود ہیں۔ اس ضمن میں فقہا کہتے ہیں کہ وہ عادل ہونے چاہییں۔ اس کی قانونی شخصیت موجود ہونی چاہیے۔ فقہا نے اس بات پر بھی گفت گو کی ہے کہ انھیں جسمانی طور پر صحت مند ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ اس بات سے بھی بحث کی ہے کہ کیا ان کے پاس اجتہاد کی صلاحیت بھی ہونی چاہیے۔ نیز ان کا فیصلہ کیسے ہو گا اور اسے کون نافذ کرے گا۔[۹۱]

۵. ۵- تحکیم کے اراکین

حَکَم کا فیصلہ لوگوں کے درمیان ایسے ہی معتبر ہے جیسا کہ قاضی کا فیصلہ۔ تحکیم کا رکن وہ الفاظ ہیں جن سے حکم کو تحکیم کے لیے درخواست کی جاتی ہے۔ فقہا نے اس ضمن میں مختلف الفاظ بہ طور رکن تحکیم تجویز

۸۹- نفس مصدر، ۱۰: ۷۴۔

۹۰- القرطبی، **الجامع**، ۵: ۱۷۷۔

۹۱- تفصیل کے لیے دیکھیں:
Zahraa and Hak, "Taḥkīm (Arbitration) in Islamic Law within the Context of Family Disputes," 80–30.

کیے ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں: "احکم بیننا"[۹۲] یا "جعلناک حکمًا"[۹۳] یا "حکمناک فی کذا مع قبول الاخر ای قبول المحکم."[۹۴] تحکیم کی فضیلت نہ صرف قرآن پاک سے ثابت ہے بلکہ رسول ﷺ کی سنت اور تعامل صحابہ کی بھی اس ضمن میں تائید موجود ہے۔ تحکیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾[۹۵] (اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑنے کا خدشہ ہو تو اس مرد کے خاندان سے اور اس عورت کے خاندان سے ایک ایک حکم بھیجو۔)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے قاضی ابو شریح سے تحکیم کے بارے میں فرمایا:

إن اللّٰهَ هوَ الحكَمُ، وإليهِ الحكْمُ، فلِمَ تكْنَى أبَا الحَكَمِ ؟ فَقَالَ : إِنَّ قَوْمِي إِذَا اخْتَلَفُوا فِي شَيْءٍ أَتَوْنِي ، فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ فَرَضِيَ كِلَا الْفَرِيقَيْنِ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا أَحْسَنَ هَذَا، فَمَا لَكَ مِنَ الْوَلَدِ ؟ قَالَ: لِي شُرَيْحٌ وَعَبْدُ اللهِ ، وَمُسْلِمٌ، قَالَ ﷺ فَمَنْ أَكْبَرُهُمْ؟، قُلْتُ : شُرَيْحٌ ، قَالَ : ﷺ" فَأَنْتَ أَبُو شُرَيْحٍ.[۹۶]

(اللہ ہی حکم ہے اور اس کی طرف حکم لوٹتا ہے۔ تجھے ابو الحکم کیوں کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا: لوگ جب کسی معاملے میں اختلاف کرتے ہیں تو میرے پاس آتے ہیں، میں ان کے مابین فیصلہ کر دیتا ہوں تو دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کتنا خوب ہے! تیری اولاد کتنی ہے؟ انھوں نے کہا: شریح، عبداللہ اور مسلم۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا: ان میں سے بڑا کون ہے؟ میں نے کہا: شریح۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم ابو شریح ہو۔)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ایسی روایات موجود ہیں جن میں انھوں نے اپنے تنازعات کے فیصلے تحکیم کے ذریعے کیے تھے۔ تحکیم کی صورت میں جو فیصلہ کیا جاتا ہے وہ فوراً نافذ العمل ہو جاتا ہے اور فریقین میں سے کوئی بھی فریق اس فیصلے کو رد نہیں کر سکتا۔ فقہا کی اکثریت کے نزدیک حکم کا فیصلہ دونوں فریقین پر لازم ہو گا اور ان میں سے کسی کو بھی اختیار نہیں ہو گا کہ وہ اس کو رد کرے۔

۹۲- ابن عابدین، **ردالمحتار**، ۵: ۴۲۸۔

۹۳- نفس مرجع۔

۹۴- نفس مرجع۔

۹۵- القرآن ۴: ۳۵۔

۹۶- ابوداود، **سنن أبي داود**، کتاب الأدب، باب فی تغییر الاسم القبیح، رقم: ۴۹۵۵۔

۵.۶- فقہ اسلامی میں عائلی معاملات میں صلح سے متعلق متفرق احکام

چوں کہ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے اس لیے اس کی تعلیمات یہ ہیں کہ اس کے پیروکار امن و سکون اور صلح و صفائی کے ساتھ زندگی گزاریں۔ اس بنا پر قرآن و سنت اور فقہ میں ایسے احکامات ملتے ہیں جو خاص طور پر خاندانی معاملات میں تنازعات کو طے کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ فقہاے اسلام نے مصادر شریعہ سے ایسے احکام مستنبط کیے ہیں جن سے عائلی تنازعات کو صلح کے ذریعے حل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس حوالے سے فقہی ذخیرے میں صلح کروانے والے (تیسری پارٹی) کے لیے مختلف اصطلاحات سے متعلقہ امور میں ملتے ہیں۔ اس ضمن میں متوسط، فضولی اور وکیل وغیرہ کے تصورات اہم ہیں کیوں کہ یہ وہ معاشرتی مناصب ہیں جو فقہاے اسلام نے خاندانی تنازعات کو عدالتی جھگڑوں کی شکل اختیار کرنے سے پہلے طے کرنے کے لیے تجویز کیے ہیں۔[۹۷]

تنازع کو ختم کرنے کے لیے بہتر یہ ہے کہ قضا سے پہلے ہی صلح کر لی جائے لیکن اگر قضا کا طریقہ کار اپنا بھی لیا جائے تو اس دوران بھی صلح کی جا سکتی ہے اور قاضی کے پاس دوران قضا بھی اختیار ہوتا ہے کہ وہ فریقین کے درمیان صلح کروا دے۔ دوران قضا صلح کے نتیجے میں جو فیصلہ ہو گا وہ قضا کے بعد ہونے والے فیصلے سے مختلف ہو گا۔ اس قسم کی صلح میں صلح کروانے والے کا کردار اہم ہو جاتا ہے۔ جب تنازعات دوران قضا صلح سے ختم ہو جائیں تو انھیں القضا بالصلح کہا جاتا ہے۔ اس قسم کی عدالتی کارروائی میں قاضی تنازعات کو صلح کے ذریعے سے نمٹا دیتا ہے۔[۹۸] اس قسم کی صلح دور حاضر میں ماورائے عدالت تنازعات کے حل کی طرح ہے۔ فقہا نے صلح بالقضاء کو قانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے باضابطہ بنایا ہے۔ اس طریقے میں غیر جانب دار ثالث کے ذریعے تنازعات کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ فریقین کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکے۔ فقہ اسلامی میں موجود معاہدات میں سے معاہدۂ صلح وہ قسم ہے جس میں ثالث کے ذریعے ثالثی کروادی جاتی ہے اور معاہدۂ صلح کو تحریر کر لیا جاتا ہے۔ فقہ اسلامی میں سود اور دھوکہ دہی (غرر) پر مشتمل معاہدات پر پابندی ہوتی ہے جب کہ صلح کے ذریعے تنازعات کو حل کرنے والے معاہدات کی اجازت ہوتی ہے۔ اس بات کی نشان دہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل حدیث سے ہو جاتی ہے:"الصلح جائز بين المسلمين (زاد

۹۷- الکاسانی، مرجع سابق، ۶: ۴۰۔

۹۸- ابن فرحون، **تبصرة الحكام في أصول الأقضية و مناهج الأحكام** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۵)، ۲: ۵۴-۵۶۔

احمد) إلاصلحا أحل حراماً أو حرم حلاله و زاد سليمان بن داود: و قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : المسلمون على شروطهم."[۹۹]

۶- مسلم ممالک میں عائلی تنازعات میں صلح سے متعلق قانون سازی

۶.۱- مسلم ممالک میں صلح سے متعلق قانون سازی کا ارتقا

صلح کے متعلق احکام سلطنت عثمانیہ کی قانون سازی سے ہوتے ہوئے مختلف اسلامی ملکوں میں قوانین کا حصہ بنے۔ اناطولیہ (Anatolia) کے علاقے پر ۱۳۳۵ تک Dulkadir نام کے حکم ران نے حکومت کی۔ جب یہ علاقہ عثمانی سلطنت کا حصہ بن گیا تو Dulkadir Penal Code میں سے بھی بہت سے دفعات اس میں شامل ہو گئیں، ان میں صلح سے متعلق دفعات بھی شامل تھیں۔[۱۰۰]

سلطنت عثمانیہ کی اہم ترین قانون سازی میں ۱۸۸۵ کا **مجلة الأحكام العدلية** شامل ہے۔ اس قانون سازی میں صلح سے متعلق دو ابواب ہیں جنھیں "صلح" اور "ابراء" کہا جاتا ہے۔ ابراء صلح سے متعلق ایک تصور ہے۔[۱۰۱] ان ابواب کے مندرجات کا تفصیلی ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

صلح سے متعلق احکام دوسرے اسلامی ممالک کی قانون سازی میں بھی موجود ہیں۔ ملائیشیا میں ۲۰۰۱ء میں Shariah Civil Procedure (Mar) Act of 2001 نافذ ہوا۔ اس ایکٹ کی رو سے بھی Civil Dispute کو مناسب (Ammicable) طریقے سے صلح کے ذریعے حل کیا جاتا ہے۔ اس طریقے میں صلح کار دونوں فریقوں کے درمیان مذاکرات کے بعد صلح کروا دیتا ہے اور اس قسم کی صلح سے تنازع حتمی طور پر حل ہو جاتا ہے۔[۱۰۲]

۹۹- ابوداؤد، **السنن**، كتاب الأقضية، باب في الصلح، ۵: ۴۴۶، رقم: ۳۵۹۴۔

۱۰۰- دیکھیے:

Uriel Heyd, *Studies in Old Ottoman Criminal Law* (Oxford: Oxford University Press, 1973) 137, 146.

101- Aida Othman, "An Amicable Settlement is Best", 72.

102- Shariah Courts Introduce the Sulh Majlis, Berita Harion (Daily Nows), Kwala Lumpur, 12, Nov 2002.

۶.۲- صلح اور عدالتی طریقہ کار میں فرق

عمومی طور پر فقہا صلح کو (خاص طور پر عائلی معاملات میں) تنازعات کے حل کا درست طریقہ سمجھتے ہیں اور اسی لیے وہ اس کے استعمال کی حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں۔ تاہم وہ صلح کے میعارات کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں؛ کیوں کہ انھی معیارات کے ساتھ صلح پر عمل در آمد ہوتا ہے۔ صلح کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ فریقین تنازع ایسے غیر روایتی مذاکرات میں شریک ہوں جس میں وہ ایک دوسرے کو اپنی رائے سے متفق کرنے کی کوشش کریں۔ صلح اور عدالتی طریقہ کار میں Procedure کا فرق ہوتا ہے۔ صلح کا طریقہ طے شدہ نہیں ہوتا اور اس میں غیر متعین شدہ اسالیب سے معاملات کو طے کیا جاتا ہے جب کہ عدالتی طریقہ کار میں ایک طے شدہ طریقہ کار کو اختیار کیا جاتا ہے؛ اسی لیے صلح کی غیر سرکاری اور پرائیویٹ مجالس میں کوئی باضابطہ طریقہ کار Procedure نہیں ہوتا۔ سرکاری عدالتی طریقہ کار کے برعکس صلح کے طریقہ کار میں یہ ممکن ہوتا ہے کہ دونوں پارٹیاں بغیر جانے یا جانتے بوجھتے ہوئے احکام شریعہ کے مخالف کوئی فیصلہ کر لیں جب کہ عدالتی طریقہ کار میں یہ ممکن نہیں ہوتا۔ صلح کی اہمیت کی بنا پر اسے عدالت میں مقدمہ بازی سے بہتر سمجھا جاتا ہے اور فقہا کے خیال میں عدالتوں میں مقدمات اسی وقت جانے چاہییں جب فریقین کے درمیان صلح ممکن نہ ہو۔[۱۰۳]

۶.۳- صلح سے متعلق پاکستان میں قانون سازی

پاکستان کا پہلا دستور ۱۹۵۶ء میں بنا۔ اس دستور میں ایک ایسا کمیشن بنانے کی سفارش کی گئی جو پاکستان میں اسلامی اصولوں کے مطابق قانون سازی میں مدد و معاون ثابت ہو سکے۔[۱۰۴]

اس دستور میں شریعہ کی اصطلاح تو استعمال نہیں کی گئی لیکن دستور کے آرٹیکل ۱۹۸ میں یہ صراحت کر دی گئی کہ عائلی قوانین کو قرآن و سنت کی روشنی میں بنایا جائے گا اور اس ضمن میں یہ اجازت بھی موجود تھی کہ ہر فرقہ اپنی تشریح و تعبیر پر انحصار کر سکتا ہے۔ بد قسمتی سے ۱۹۵۶ء کا دستور ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو منسوخ کر دیا گیا اور ۱۹۶۲ء میں اس کی جگہ ایک نیا دستور لایا گیا۔ اس دستور سے پہلے مارچ ۱۹۶۱ء میں معرکۃ الآرا مسلم فیملی لا آرڈیننس

۱۰۳- محمد ابن مروز ابن علی، **غور الأحکام** (مطبعة الوهابية، ۱۲۶۴ھ / ۱۸۷۷ء)، ۴۹۷۔

104- Mumtaz Ahmad, "The Muslim Family Laws Ordinance of Pakistan," *International Journal on World Peace*, 10:3 (September 1993): 37-46.

(MFLO) نافذ کر دیا گیا تھا۔ یہ قانون سازی (Commission on Marriage and Family Laws) کی سفارشات پر مبنی تھی۔ ۱۹۶۱ء، MFLO میں وراثت، نکاح کی رجسٹریشن، تعدد ازدواج، طلاق، نان و نفقہ، مہر اور تنسیخ نکاح کے بارے میں قانون سازی کی گئی۔ اس قانون سے پہلے شریعہ ایکٹ آف ۱۹۳۷ء ہندوستان میں نافذ تھا لیکن اس کو وہ اہمیت حاصل نہ تھی جو مسلم فیملی لا آرڈیننس کو حاصل ہوئی کیوں کہ عائلی معاملات میں قیام پاکستان کے بعد یہ اسلامی ریاست کی طرف سے ایک بہت اہم قانون سازی تھی۔

پاکستان کے قوانین میں صلح کی اصطلاح مذکور نہیں ہے۔ صرف نفاذ عدل ریگولیشن ۲۰۰۹ء میں یہ اصطلاح استعمال ہوئی تھی۔ اس ریگولیشن میں صلح اور مصلحین کی اصطلاحات بھی استعمال ہوئی تھیں۔[۱۰۵] اس نظام عدل میں صلح کا طریقہ کار کافی پیچیدہ اور غیر عدالتی ہے جس سے کسی فیصلے پر پہنچنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔[۱۰۶]

پاکستان کے عمومی قوانین میں صلح کے حوالے سے جو اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں وہ Reconciliation، Conciliation، Mediation، Compromise اور Amicable Settlement وغیرہ کی ہیں۔ ان اصطلاحات کا استعمال درج ذیل قوانین میں موجود ہے:

Federal Excise Act 2005,
Finance Act 2007,
Income Tax Ordinance 2001,
Industrial Relation Ordinance,
KP Local Government Act 2013,
Sindh Local Government Act 2013,
Punjab Local Government Act 2013.

اس حوالے سے یہ بتانا مناسب ہو گا کہ اس ضمن میں ملک میں کوئی واضح قانون سازی نہیں ہوئی ہے۔ ان اصطلاحات کا استعمال بھی کسی مخصوص طریقے سے نہیں ہو رہا اور نہ ہی ان کے مفاہیم کو قانونی طریقے سے طے کیا گیا ہے۔ سول پروسیجر ۱۹۰۸ء میں Conciliation اور Mediation کو مشترکہ طور پر ایک ہی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے جب کہ فیملی کورٹ ایکٹ ۱۹۶۴ء میں Compromise اور Reconciliation کے الفاظ ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔

105– The Shariah Nizam-e-'Adl Regulation, 2009, Section 13.

106– Section 13(1) of the Shariah Nizam-e-'Adl Regulation 2009.

موجودہ حالات میں ان اصطلاحات کے بین الاقوامی استعمال میں بھی اس حوالے سے کافی مشکلات ہیں۔ پاکستان کی اعلیٰ عدلیہ نے بھی ان امور کو اپنے فیصلوں میں موضوع بحث نہیں بنایا جس کی وجہ سے ان اصطلاحات کا غلط استعمال نہ صرف پیچیدگی کا باعث بن رہا ہے بلکہ جس قسم کی افادیت ان سے حاصل کی جاسکتی ہے وہ بھی ناپید ہو چکی ہے؛ چناں چہ اس بات کی ضرورت ہے کہ اس موضوع پر مناسب قانون سازی کی جائے اور تمام اصطلاحات کے مفاہیم کو تعارفی شق کے اندر واضح کر دیا جائے۔ پاکستان میں چوں کہ صلح کے حوالے سے کوئی مخصوص بنیادی قانون موجود نہیں بلکہ قانونی نظام کے اندر ہی جو طریقہ کار دیا گیا ہے عدالتیں اسی کو استعمال کرتی ہیں لہٰذا اس ضمن میں جامع قانون سازی کی ضرورت ہے اور تمام صلح کے کیسز کو بلاچون وچرا قبول کر لینے کی روش کو بھی بدلنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ اس قسم کے اقدام قانون کے مقصد کو فوت کر دیتے ہیں، چاہے کیس سول، فیملی ہو یا کریمینل، تمام صورتوں میں کیسز کے فیصلے اس قانون کی قانون سازی کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہی کیے جانے چاہییں۔

۶.۴–عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء میں صلح سے متعلق قانون سازی

عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء(MFLO) پاکستان میں اسلامی قانون سازی کے حوالے سے سب سے اہم پیش رفت ہونے کے ساتھ ساتھ متنازعہ قانونی اصلاح بھی تصور کی جاتی ہے۔ یہ قانون مبہم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ہی علما کی تنقید کا نشانہ بنتا رہا ہے اور خاص کر شق نمبر ۷، جو طلاق کے حوالے سے قانون فراہم کرتی ہے، بہت سی بنیادی تفصیلات کی متقاضی ہے؛ چناں چہ سیکشن ۷ کی رو سے طلاق کی صورت میں، جس میں تمام اقسام کی طلاقیں داخل ہیں، ایک انتظامی ادارے کے نوٹس میں یہ معاملہ لایا جائے گا تاکہ وہ فریقین کے مابین صلح اور مفاہمت کی کوشش کرے۔ طلاق نوے دن سے پہلے مؤثر نہیں ہوگی اور اس دوران فریقین کے درمیان صلح کروانے کے لیے یونین کونسل کا چیئرمین ایک مصالحتی کونسل (Arbitration Council) تشکیل دے گا جو فریقین کو صلح اور مفاہمت پر لانے کے لیے ہر اقدام کرے گی۔[۱۰۷] بدقسمتی سے صلح اور مفاہمت کی کوششیں طلاق ہونے کے بعد تجویز کی گئی ہیں، حالاں کہ ان کی ضرورت پہلے ہوتی ہے۔ بہر حال اسلامی قانون کی رو سے ایک یا دو طلاقوں کے بعد صلح اور مفاہمت ممکن ہے لیکن جمہور کے نزدیک تین طلاقوں کے بعد ایسا ممکن نہیں۔

107– Muhammad Munir, "Talaq and the Muslim Family Law Ordinance, 1961 in Pakistan: An Analysis," *Spectrum of International Law* 1 (May- August 2011): 16-18.

بظاہر شق نمبر ۷ سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ طلاق بدعی (تین طلاقیں) کو ختم کر دیا گیا ہے کیوں کہ فریقین کو طلاق کے بعد حلالہ یا دوسری شادی کے بغیر دوبارہ آپس میں نکاح کرنے کی اجازت ہے۔

اس قانون کے مطابق طلاق کے مؤثر ہونے کا تعلق طلاق کا نوٹس چیئرمین تک پہنچنے اور صلح کی کوشش کرنے پر منحصر ہے جو کہ اسلامی قانون کے مطابق نہیں ہے، لہٰذا اس قانون کی صحیح تشریح نہ ہونے کی وجہ سے عدالتوں میں کیے جانے والے فیصلے پیچیدگیوں کا باعث بن رہے ہیں۔[۱۰۸]

ضرورت اس امر کی ہے کہ ریاست کی اعلیٰ عدلیہ اس قانون کی صحیح اور مستند تشریح فراہم کرے تاکہ اس ضمن میں پیدا ہونے والی الجھنوں سے بچا جا سکے۔

۷- تنازعات کے حل کے لیے مصالحت کے رہ نما اصول

تنازعات کو حل کرانا کوئی معمولی نوعیت کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے خاص مہارت کی ضرورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ کام باقاعدہ ایک پیشے کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ جب تنازع خانگی یا ازدواجی نوعیت کا ہو تو صالح، حکم یا ثالث کا کردار بہت اہم ہوتا ہے اور یہ کام خود اس کے لیے بہت کٹھن بھی ہوتا ہے کیوں کہ اس میں روایتی انداز سے ہٹ کر معاملات کو صحیح طریقے سے سمجھ کر سلجھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

لہٰذا صالح یا حکم کے لیے صحیح طریقہ کار کا استعمال کرنا ضروری ہے تاکہ بہترین نتائج کا حصول ممکن ہو سکے۔ مصالحتی کونسل جو زوجین کے درمیان عائلی تنازعات کو حل کرانے کی کوشش کرتی ہے، کے اراکین کے پاس اس حوالے سے بنیادی تربیت اور مہارت ہونی چاہیے تاکہ وہ عائلی تنازعات کو مؤثر طریقے سے حل کرانے میں مدد دے سکیں۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ عائلی تنازعات دوسرے سماجی معاملات سے مختلف ہوتے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لیے نئے اور نسبتاً غیر معروف طریقے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ جب صالح تربیت یافتہ، ماہر اور مستند ہوں گے تو صلح کی کامیابی کے امکانات بھی بڑھ جائیں گے جب کہ غیر تربیت یافتہ اور غیر پیشہ ور صالح کے ذریعے ہونے والے معاملات عوام کا اعتماد ان اداروں پر سے زائل کر دیتے ہیں اور لوگ ایسے اسالیب کا استعمال چھوڑ دیتے ہیں، لہٰذا ججز، وکلا، سماجی کارکنوں، کونسلرز، علم نفسیات کے ماہرین وغیرہ کو تربیت مہیا کر کے مصالحت کے اس عمل کا حصّہ بنانا چاہیے۔

۱۰۸- تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں:

PLD 2006, SC 457, 463; PLD 1993 SC 901, 917; PLD 1993 SC 901, 915-6; 21 DLR 1969, 733; 1970 SCMR 845; 1987 SCMR 518; PLD 1982 FSC 265; PLD 1984 Lah 234.

صالح یا ثالث کا کام فریقین کو ایک میز پر لانا ہوتا ہے تا کہ ان کے درمیان گفت گو کا جو سلسلہ رک گیا ہے اس کو آگے بڑھایا جائے۔ خانگی تنازعات زیادہ تر معاملات پر کھل کر بات چیت نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کی وجہ ہی سے جنم لیتے ہیں۔ لہذا صالح کے لیے ضروری ہے کہ وہ زوجین کے درمیان گفت گو اور رابطے کو دوبارہ قائم کرنے کی مہارت رکھتا ہو اور اس کے لیے اس کا اچھا سامع ہونا بھی ضروری ہے۔[۱۰۹] چناں چہ صالح کے لیے نہ صرف فریقین کی گفت گو کو اچھی طرح سننا ضروری ہے بلکہ اس کو سمجھنا بھی اتنا ہی ضروری ہے تا کہ ضرورت پڑنے پر غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے ان نکات کو استعمال میں لا سکے۔ اس لیے صالح کو فریقین کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کہ وہ آپس میں گفت گو کریں اور ہر ممکن طریقے سے اس کو یقینی بنانا چاہیے۔ اس کے لیے صالح کو بہترین ابلاغی مہارتوں (Communication Skills) کی ضرورت ہوتی ہے۔[۱۱۰]

صالح کو فریقین سے موقع محل کے مطابق مؤثر سوالات پوچھنے کا ہنر بھی آنا چاہیے تا کہ یہ جانا جا سکے کہ ایک فریق کے ذہن میں کیا ہے اور وہ کیا چاہتا ہے، اور اسی کی مدد سے وہ تنازع کے حل کے صحیح راستے کی طرف رہ نمائی حاصل کرتا ہے۔ صالح کا کردار مسائل کا حل تجویز کرنے والے کا ہوتا ہے اور یہ قانونی طریقے کے ذریعے تنازعات کے فیصلے کرنے سے مختلف ہے۔ مصالحتی عمل کا حصّہ بننے والوں کے لیے تنازع کے حوالے سے درست اور اہم معلومات کا حصول بھی لازم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون اور ملکی قانون سے بھی مکمل آگاہی ہونی چاہیے۔

صالح کی حیثیت ایک غیر جانب دار فرد کی ہوتی ہے اور جب وہ صالح یا ثالث کا کردار ادا کر رہا ہو تو اسے صرف اسی حیثیت میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہئیں۔ اس میں کسی ایک فریق کی حمایت یا وکالت کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔ چوں کہ صالح کا کام فریقین کو اس درمیانے راستے تک لے کر جانا ہوتا ہے جہاں دونوں راضی ہوں لہذا صالح کو عائلی تنازعات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ذہنی مسائل اور ان کے تدارک کے بارے میں بھی معلومات ہونی چاہئیں کیوں کہ ایسے مسائل کے حوالے سے آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے صالح فریقین کی ذہنی حالت کو صحیح طرح سے جانچنے میں ناکام ہو سکتا ہے اور نتیجتاً صالح کے کردار کی تاثیر و افادیت کم ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں تجربہ کار

109– Syed Sikander Shah, "Mediation in Marital Discord in Islamic Law: Legislative Foundation and Contemporary Application," *Arab Law Quarterly* 23: 3 (2009): 329-346.

110– Ibid.

صالحین کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں۔[۱۱۱]

طلاق کی صورت میں زوجین پر پڑنے والے سماجی و معاشی دباؤ اور بچوں پر پڑنے والے اثرات کے حوالے سے بھی صالح کی معلومات مکمل اور مستند ہونے چاہییں۔ اسلامی قانون کی رو سے زوجین کے درمیان مصالحت کروانے والا حکم یا صالح ترجیحاً زوجین کا قریبی رشتہ دار ہونا چاہیے یعنی ایک حکم بیوی کی طرف سے اور دوسرا شوہر کی طرف سے نامزد کردہ ہونا چاہیے، جیسا کہ آیت قرآنی میں اس کا حکم بھی دیا گیا ہے اور یہ مصلحت کے قریب بھی ہے کیوں کہ رشتہ دار زوجین کے رشتے کو جوڑنے یا توڑنے کا حق کسی تیسرے فریق کے مقابلے میں زیادہ رکھتے ہیں اور قریبی رشتہ دار زوجین کے تنازع کو حل کرانے کی زیادہ کوشش کریں گے۔ وہ ان کے حالات سے بھی آگاہ ہوتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے لیے کیا زیادہ بہتر ہو گا۔

جمہور فقہا کے نزدیک صالح یا حکم کسی اجنبی کو بھی بنایا جا سکتا ہے، اگر وہ تجربہ اور مہارت رکھتا ہو۔ ضرورت پڑنے پر قریبی رشتہ دار کی مدد بھی صالح لے سکتا ہے۔[۱۱۲] حکم یا صالح کی تعداد کے متعلق کوئی حتمی قاعدہ نہیں ہے؛ حکم ایک بھی ہو سکتا ہے اگر دونوں فریقین اس پر راضی ہو جائیں جب کہ زیادہ تر فقہا کے نزدیک صالح یا حکم دو سے کم نہیں ہونے چاہییں۔

اسلامی قانون میں حَکَم، ثالث اور صالح کی اصطلاحات تقریباً ایک ہی جیسے معنوں میں لی جاتی ہیں۔ ان کی علاحدہ علاحدہ وضاحتیں نہیں ملتیں، جب کہ مغربی تصورات میں یہ تمام اصطلاحات نہ صرف مختلف ہیں بلکہ انکا دائرہ کار اور نوعیت بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے اور یہ مختلف اداروں کی صورت میں تنازعات کے حل کے لیے کام کرتی ہیں، گو کہ ان سب کا مقصد تنازعات کا حل ہی ہے۔

مغرب میں بسنے والے اقلیتی مسلمان اپنے تنازعات کے حل کے لیے زیادہ تر (Mediation) کی طرف جاتے ہیں، اس کے لیے وہ رشتہ داروں، قابل بھروسہ دوستوں، وکلا، میرج کونسلرز اور سماجی اداروں وغیرہ کی مدد لیتے ہیں۔[۱۱۳] Arbitration یا ثالثی کا انتخاب تب کیا جاتا ہے جب زوجین ساتھ رہنے کے لیے تیار نہیں

111– Christopher W. Moore, "Training Mediators for Family Dispute Resolution," *Mediation Quarterly* 2 (December 1983): 79-89.

۱۱۲– قحطان عبد الرحمٰن الدوری، **عقد التحکیم في الفقه الإسلامی و القانون الوضعي** (عمان: دار الفرقان، ۲۰۰۲ء)، ۴۲۱-۴۱۶۔

113– Shah, "Mediation in Marital Discord in Islamic Law," 329-346.

ہوتے۔ وہ ثالثی کا سہارا علاحدگی کے بعد جائیداد کی تقسیم اور بچوں کو پالنے سے متعلق موضوعات کو طے کرنے کے لیے لیتے ہیں، عائلی زندگی کو محفوظ کرنے کی بات اس میں زیر بحث نہیں لائی جاتی۔[۱۱۴] ثالثی عدالتی طریقہ کار کی نسبت زیادہ تیز، سستا اور قابل عمل بھی ہے۔ لہٰذا مصالحت کے لیے ثالثی (Mediation) زیادہ بہتر انتخاب ہے کیوں کہ فریقین (Mediator) کے ذریعے باہمی رضامندی سے صلح کی شرائط پر مبنی معاہدہ بھی کر سکتے ہیں جو کہ مقامی عدالت میں قانونی طور پر نافذ العمل ہوتا ہے۔

حَکَم یا صالح کا کام زوجین کے مابین ٹوٹے ہوئے رابطے کو جوڑنا ہے، اس لیے اس کے پاس نہ صرف اس کی اہلیت بلکہ اپنے حکم کو نافذ کرنے کی طاقت بھی ہونی چاہیے۔ لیکن حَکَم کو طاقت کے ذریعے طلاق کو نافذ کرنے کی اہلیت پر فقہا کا اتفاق نہیں ہے۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک حَکَم کے پاس زوجین کو طلاق کے ذریعے الگ کرنے کے اختیارت نہیں ہیں سوائے اس کے کہ زوجین اسے خود ایسا کرنے کا اختیار باہمی رضامندی سے دیں؛ جب کہ مالکیہ اور امام احمد کے نزدیک ان کے پاس اختیار ہے کہ وہ صلح کروائیں یا طلاق۔ لیکن حتمی نقطۂ نظر یہی ہے کہ صالح یا حَکَم کو آخری فیصلہ عدالت پر ہی چھوڑنا چاہیے اور اپنے حصّے کی ذمہ داری پوری کر کے رپورٹ عدالت میں پیش کر دینی چاہیے۔[۱۱۵]

صالح یا حَکَم کے کردار کو مؤثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ عائلی تنازعات کے حل کے تناظر میں تحکیم، ثالثی اور مصالحت کے اداروں کو اسلامی قانون کی روشنی میں از سر نو تشکیل دیا جائے۔ مصالحت کروانے والے اراکین کی تربیت کا اہتمام کیا جائے تاکہ ان کی صلاحیتوں کو بین الاقوامی معیار کے مطابق نکھارا جا سکے۔ اس ضمن میں لیکچرز، سیمینارز، تربیتی ورکشاپس وغیرہ کا اہتمام سرکاری سطح پر کیا جانا چاہیے۔[۱۱۶]

نتیجہ

اس مقالے میں جو مواد پیش کیا گیا اس کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ صلح شریعت اسلامیہ کا وہ طریقہ کار ہے جس کے ذریعے معاشرتی جھگڑوں اور عائلی تنازعات کو حل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ صلح کے ذریعے تنازع ختم ہو جاتا ہے اور تنازع کے فریقین جھگڑے کے بجائے مشترکہ حل پر پہنچ جاتے ہیں۔ صلح کی مشروعیت قرآن و سنت اور فقہا کی آرا کی روشنی میں مسلّم ہے۔ مسلمان فقہا نے صلح کے تصور، اس کی

114– Ibid.

115– Ibid.

116– Ibid.

ضرورت و اہمیت، اس کے اراکین، تحکیم کے الفاظ، صلح کے اثرات اور ثالث کے اختیارات کے حوالے سے تفصیلی احکام مرتبے کیے ہیں۔ ان احکام کے ذریعے اسلامی قانون کے مطابق تنازعات کو بہتر طریقے سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ یہ احکام نہ صرف پُرامن معاشرے کی تشکیل میں مدد دے سکتے ہیں بلکہ ان کے ذریعے معاشرے میں موجود انتشار کو ختم بھی کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی قوانین کی روشنی میں جدید معاشروں میں صلح اور تنازعات کو پرامن طریقے سے ختم کرنے کے لیے قانون سازی کی گئی ہے اس جدید قانون سازی کا آغاز سلطنت عثمانیہ سے ہوا۔ موجودہ حالات میں پاکستان اور ملائیشیا جیسے ممالک میں اس ضمن میں قانون سازی کی گئی ہے۔ پاکستان کو تحکیم اور صلح کے حوالے سے قانون سازی میں کافی چیلنج کا سامنا ہے مسلم فیملی لا آرڈیننس ۱۹۶۱ء میں زوجین کے درمیان صلح کرانے میں جو تحکیم کا تصور دیا گیا ہے، وہ اسلامی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ قرآنی آیات اور فقہی احکام کی روشنی میں جو اصول وضوابط وضع ہوئے ہیں ان میں صلح طلاق کے عمل (Process) سے پہلے ہے جب کہ مسلم فیملی لا آرڈیننس ۱۹۶۱ء میں ثالثی کا جو تصور دیا گیا ہے۔ وہ طلاق کے Process کے آغاز کے بعد ہی عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان میں قانون سازی میں تبدیلی کر کے اسے اسلامی اصولوں کے مطابق بنایا جائے۔

ترقی یافتہ ممالک میں عائلی تنازعات کو صلح کے ذریعے حل کرنے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں تربیتی رہ نما تیار کیے جاتے اور ان کی ترویج کی جاتی ہے اور معاشرے کے اندر آگاہی مہم کے ذریعے گھریلو تنازعات کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان جیسے معاشروں میں اس طرف توجہ نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ شرعی قوانین کے مطابق مسلم فیملی لا آڈرینینس سے ہم آہنگ ایسے تربیتی رہ نما تیار کیے جائیں جن کی مدد سے عائلی تنازعات کو حل کرنے کی کوشش کی جاسکے۔ اس طریقے سے نہ صرف گھریلو تنازعات کو کم کرنے میں مدد ملے گی بلکہ پاکستانی معاشرہ ایک مستحکم معاشرہ بن سکے گا۔